بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کامیاب مسلمان



تالیف

مولانا عصمت اللہ عزام

(مدرس مدرسہ العلوم الشرعیہ کوئٹہ)

پسند فرمودہ

مناظر اسلام مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم العالیہ

کامیاب مسلمان

تألیف :

مولانا عصمت اللہ عزام
(مدرس مدرسہ العلوم الشرعیہ کوئٹہ)

پسند فرمودہ

مناظر اسلام مولانا منظور احمد مینگل صاحب
دامت برکاتہم العالیۃ

تعارف کتاب:

کتاب کا نام :

کامیاب مسلمان

مؤلف : مولانا عصمت اللہ عزام

(مدرس مدرسہ العلوم الشرعیہ، کوئٹہ)

پسند فرمودہ :

مناظرِ اسلام، حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب -
دامت برکاتہم العالیۃ — (مہتمم جامعہ صدیقیہ کراچی)

سنِ اشاعت :

ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۷ھ : **ہجری سال**

مئی ۲۰۲۶ء : **عیسوی سال**

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدالأنبیاءوالمرسلین، وعلی آله وأصحابه أجمعین،أما بعد :

زیر نظر کتاب (کامیاب مسلمان) کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع تو نہ مل سکا،البتہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے تحت چیدہ چیدہ مقامات کا مطالعہ کر کے دلی خوشی ہوئی، کہ عزیزم مولوی عصمت اللہ عزام صاحب حفظہ اللہ نے کتاب ھذا کو نہایت محنت وجانفشانی سے قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ترتیب دے کر امت کو ھدایت کی راہوں پر گامزن کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ موصوف نے معاشرے کی ضرورت کو سامنے رکھ کر کتاب کو بہترین عنوانات سے آراستہ کیا ہے، پھر بے جا تکلفات سے صرف نظر کرتے ہوئے نہایت اَحسن انداز میں آیات واحادیث کا عام فہم سلیس اُردو ترجمہ اور بقدر ضرورت تشریح کر کے کتاب کی قدر کو مزید بڑھادیا ہے،اسلئے کتاب قابلِ دید اور مصنف قابل داد ہے۔

چونکہ الفاظ دل کے ترجمان ہوا کرتے ہیں، سو اگر یہ کہا جائے کہ برادرم نے ان نقوش میں اپنا دردِ دل ظاہر کیا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔امید کرتا ہوں کہ ان کا یہ دردِ دل قارئین کے زنگ آلود دلوں پر صیقل کا کام دے گا،اور ان میں اعمال کا شوق پیدا کر کے آخرت کی یاد دھانی کرائے گا،دعا ہیکہ اللہ تعالی مؤلف سلمہ کی اس عرق ریزی اور جگر کاوی کو اپنی بار گاہ میں قبول فرمائے،اور اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے۔(آمین)

مقدمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین امابعد:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بلکہ اُسے ایک عظیم اور بامعنی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب کو پہچانے، اُس کی بندگی کرے، نیک اعمال اختیار کرے، اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو کر اپنی زندگی اللہ کی رضاء کے مطابق گزارے۔

اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، تاکہ انسانیت کو ہدایت کی روشنی دی جائے، اور بندگی کا صحیح راستہ دکھایا جائے۔

یہی پیغام اس کتاب کے ذریعے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ ایک سچے اور کامیاب مسلمان کی صفات کو اُجاگر کیا جائے، اور قاری کو ان اعمال کی طرف متوجہ کیا جائے جو انسان کو دنیا و آخرت میں فلاح تک پہنچا دیتے ہیں۔

ان شاءاللہ تعالیٰ، اس کتاب کے مطالعے سے آپ کو بہت سے ایسے اعمال معلوم ہوں گے جو انسان کی کامیابی میں مؤثر اور ضروری ہیں۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں صرف طوالت اور تحریر پر زور نہیں دیا گیا، بلکہ اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں صرف صحیح اور معتبر احادیث پر اکتفاء کی گئی ہے، اور ان شاءاللہ تعالیٰ بے بنیاد اور ضعیف اقوال سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت ہم نے اسی لیے محسوس کی، تاکہ معزز قارئین کو بات ٹھوس اور درست دلائل کے ساتھ بیان کی جائے، اور ساتھ ساتھ ایسے مفید اور دلچسپ مضامین پیش کیے جائیں، جن پر عمل کر کے ان شاءاللہ تعالیٰ قارئین کے لیے دنیا اور آخرت، دونوں کی کامیابی ممکن ہو۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

سعادت اور کامیابی کے اسباب

دل کا سکون، راحت، اور خوشی، نیز غم و پریشانیوں کا خاتمہ ہی اصل سعادت و کامیابی ہے، اور ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خوش نصیب ہو، اور اسی کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔

اس مقصد کے لیے لوگ مختلف راستے اپناتے ہیں: کوئی ریاست، قیادت اور سرداری میں خوشی تلاش کرتا ہے؛ کوئی دولت اور مال میں؛ کوئی کھیل تماشوں اور بے کار مشغولیات میں، اور دیگر بہت سے طریقے ہیں۔

اگر ان لوگوں میں سے ہر ایک سے پوچھا جائے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تو وہ یہی کہے گا: میں سعادت ڈھونڈ رہا ہوں، سکون اور آرام چاہتا ہوں، غموں کا خاتمہ چاہتا ہوں، اور ان سے نجات چاہتا ہوں!

پس، مقصد تو سب کا ایک ہے—سعادت کی تلاش، لیکن خیالات اور عقلیں مختلف ہیں۔ ہر شخص اسے اس راستے میں تلاش کرتا ہے جو اُسے کامیابی کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی لیے بعض لوگ اپنی خوشی اُن چیزوں میں تلاش کرتے ہیں جن میں دراصل ان کی بدبختی اور دنیا و آخرت کی تباہی چھپی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ اُنھیں سعادت و کامیابی کے اسباب اپنے مبارک کلام میں بیان فرمائے، اور رسول

اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے بھی اپنی احادیث میں نہایت خوبصورت انداز میں ان کی وضاحت فرمائی ہے۔

جو شخص ان اسباب پر عمل کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، وہ خوش نصیب ہوگا اور ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔

ہم ان میں سے بعض اسباب یہاں اختصار سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ایمان

۲۔نیک عمل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:{ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِنۡ ذَكَرٍ أَوۡ أُنۡثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَجۡرَهُمۡ بِأَحۡسَنِ مَا كَانُوا يَعۡمَلُونَ } [النحل: ۹۷]

ترجمہ: جو بھی نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، ہم اُسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے اعمال کے بہترین بدلے انہیں ضرور دیں گے۔

نیز فرمایا:{ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنَّاتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا }[الکھف:۱۰۷]

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے جنت الفردوس مہمانی کے طور پر ہوگی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان اور نیک عمل کے ذریعے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ایمان ہی اصل سعادت کی بنیاد ہے۔ اگر کسی کے دل میں ایمان ہو تو وہ خوش نصیب ہے، خواہ دیگر اسباب نہ بھی ہوں۔ اور اگر ایمان اور نیک عمل نہ ہو، تو وہ خوش بخت نہیں، چاہے باقی دنیاوی اسباب موجود ہوں۔

کیونکہ ایمان بنیاد ہے، اور بنیاد کے بغیر کوئی عمارت قائم نہیں رہتی۔

۳۔ علم کا حاصل کرنا

علم، دنیا و آخرت دونوں میں بلندی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ [المجادلة: ١١]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

۴۔ تقویٰ اور پرہیزگاری

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: { وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ } [الطلاق: ۲-۳]

ترجمہ: جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بناتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اُس کا گمان بھی نہ ہو۔

۵۔ اللہ پر توکل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ} [الطلاق: ٣]

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔

۶۔احسان (اللہ کی عبادت اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ} [الأعراف:۵۶]

ترجمہ: یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

۷۔صبر اور تقویٰ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى [طه: ۱۳۲]

ترجمہ: اچھا انجام تقویٰ والوں کے لیے ہے۔

۸۔دُعاء

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} [غافر:۶۰]

ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی یہ عظیم دعاء بھی ہے:

« اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ » (مسلم ص: ۳۴۹ ج: ۲)

ترجمہ: اے اللہ! میرے لیے میرے دین کو درست فرما، جو میرے امور کی حفاظت ہے، اور میرے لیے میری دنیا سنوار دے جس میں میری زندگی ہے، اور میرے لیے میرا آخرت کا معاملہ بہتر

فرما جس میں میرا لوٹنا ہے۔ زندگی کو ہر خیر میں اضافہ کا ذریعہ بنا دے، اور موت کو ہر شر سے نجات کا سبب بنا دے۔

۹۔ استغفار

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: { فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا، وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴾ } [نوح: ۱۰-۱۲]

ترجمہ: میں نے کہا: اپنے رب سے مغفرت مانگو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر بارشیں برسائے گا، مال و اولاد سے تمہیں نوازے گا، تمہارے لیے باغات اور نہریں پیدا کرے گا۔

۱۰۔ اللہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ} [الرعد: ۲۸]

ترجمہ: یاد رکھو! دلوں کو سکون صرف اللہ کے ذکر سے ملتا ہے۔

۱۱۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنا

انسان جب اللہ کے احسانات یاد کرتا ہے تو دل خوش ہو جاتا ہے اور غم و پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ حال پر توجہ دینا

ماضی کے افسوس اور مستقبل کی فکر سے خود کو بچاتے ہوئے حال پر توجہ دینا، خوشی اور سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔

۱۳۔ دوسروں سے بھلائی کرنا

ہر قسم کی بھلائی—خواہ وہ مدد ہو یا اچھی بات—انسان کو غم سے نجات دلاتی ہے۔

۱۴۔ مصروف رہنا

مصروفیت انسان کو فکری پریشانیوں سے بچاتی ہے۔ مفید کاموں میں مشغول رہنے سے دل کا بوجھ کم ہوتا ہے۔

۱۵۔ اچھا گھر، نیک بیوی، اور آرام دہ سواری

یہ سب زندگی کی بہتری میں مددگار ہیں، اور احادیث میں اُنہیں سعادت کے اسباب میں شمار کیا گیا ہے۔

یہ وہ چند اسباب ہیں جن پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادت اور کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایمان کی شاخیں اور ان کی تفصیل

اس بات میں کسی عقل مند شخص کو کوئی شک یا اختلاف نہیں کہ دنیا و آخرت میں فلاح اور کامیابی صرف اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے، جو اپنے اندر ایمان کی صفات پیدا کرے، ایمان کی حقیقت کو سمجھے اور ایمان کی تمام شاخوں پر عمل کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ. (متفق عليه, مشكاة المصابيح ص: ۱۲ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے، رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ شاخ "لاالٰہ الا اللہ" کا اقرار ہے، اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

اس حدیث میں ایمان کی شاخوں کی تعداد ستر سے زائد بیان کی گئی ہے، جبکہ بعض دیگر روایات میں ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں بھی مذکور ہیں۔ علماء نے اس فرق کو اس طرح سمجھایا ہے کہ کبھی ہر شاخ کو الگ شمار کیا گیا ہے، جس سے تعداد زیادہ ہوئی، اور کبھی بعض کو ایک دوسرے میں شامل کر کے مختصر گنتی کی گئی ہے۔

اس حدیث مبارک میں تین شاخیں ذکر کی گئی ہیں:

۱. سب سے اعلیٰ شاخ: لاالٰہ الا اللہ کا زبانی اقرار۔

۲. سب سے ادنیٰ شاخ: راستے سے ایذا رساں چیز ہٹانا، جیسے پتھر، کانٹے، اینٹ وغیرہ۔

۳. درمیانی شاخ: حیاء۔

اگرچہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ایک چھوٹا عمل معلوم ہوتا ہے، اور اکثر لوگ اسے معمولی جان کر نظرانداز کرتے ہیں، مگر یہ ایمان کی ایک مکمل شاخ ہے، جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حدیث میں تین درجوں کی شاخیں بیان کی گئی ہیں: اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ، تاکہ اس طرح ایمان کی تمام اقسام کا اجمالاً ذکر ہو جائے۔

ایمان کی تمام ۷۷ شاخیں دیگر احادیث سے علماء نے اخذ کی ہیں، جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ ان میں بعض شاخیں دل سے متعلق ہیں، بعض زبان سے اور بعض جسمانی اعضاء سے۔ اسی طرح کچھ شاخیں انسان کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، اور کچھ معاشرتی تعلقات سے۔

دل سے متعلق ایمان کی شاخیں (۳۰ شاخیں):

۱. اللہ تعالیٰ پر ایمان: اس کے وجود، صفات، اور توحید پر ایمان۔

۲. تمام مخلوقات کو حادث اور اللہ کی مخلوق ماننا۔

۳. فرشتوں پر ایمان۔

۴. آسمانی کتابوں پر ایمان۔

۵. تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔

۶. تقدیر کے خیر و شر پر ایمان۔

۷. قیامت کے دن پر ایمان اور اس سے متعلق امور پر ایمان (قبر کا عذاب، حساب، پل صراط، میزان، وغیرہ)۔

۸. جنت اور اس کی دائمی نعمتوں پر ایمان۔

۹. دوزخ اور اس کی ہمیشگی پر ایمان۔

۱۰. اللہ سے محبت۔

۱۱. اللہ کے لیے محبت اور بغض رکھنا۔

۱۲. رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - سے سب سے زیادہ محبت کرنا، آپ پر درود بھیجنا اور سنت کی پیروی۔

۱۳. اخلاص (ریاکاری اور نفاق سے بچاؤ)۔

۱۴. گناہوں پر توبہ اور ندامت۔

۱۵. اللہ سے خوف رکھنا۔

۱۶. اللہ کی رحمت سے امید رکھنا۔

۱۷. اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

۱۸. ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا۔

۱۹. وعدے کا ایفاء۔

۲۰. صبر۔

۲۱. تواضع و عاجزی۔

۲۲. مخلوقِ خدا پر شفقت و رحم۔

۲۳. قضا و قدر پر راضی رہنا۔

۲۴. اللہ پر توکل کرنا۔

۲۵. عجب و خود پسندی سے اجتناب۔

۲۶. حسد سے پرہیز۔

۲۷. مسلمانوں سے دشمنی سے اجتناب۔

۲۸. دنیا کے معاملات میں غصے سے بچنا۔

۲۹. بدنیتی، فریب، دھوکہ اور بدگمانی سے بچنا۔

۳۰. دنیا کی محبت سے پرہیز، خصوصاً مال و مرتبے کی محبت سے۔

زبان سے متعلق ایمان کی شاخیں (۷ شاخیں):

۳۱. توحید کا اقرار اور رسالت کی گواہی۔

۳۲. قرآنِ کریم کی تلاوت۔

۳۳. دینی علم حاصل کرنا۔

۳۴. دین کی تعلیم دینا۔

۳۵. دعاء مانگنا۔

۳۶. اللہ کا ذکر کرنا، توبہ واستغفار شامل۔

۳۷. لغو اور فضول باتوں سے اجتناب۔ س

جسم سے متعلق ایمان کی شاخیں (۴۰ شاخیں):

الف) اپنی ذات سے متعلق (۱۶ شاخیں):

۳۸. طہارت وصفائی (ظاہری و باطنی)۔

۳۹. نماز قائم کرنا۔

۴۰. زکات ادا کرنا۔

۴۱. روزے رکھنا۔

۴۲. حج و عمرہ اداء کرنا۔

۴۳. اعتکاف کرنا۔

۴۴. دین بچانے کے لیے فتنوں سے دوری اختیار کرنا۔

۴۵. نذر پوری کرنا۔

۴۶. بے جا قسموں سے بچنا۔

۴۷. کفارات اداء کرنا۔

۴۸. نماز میں اور عام حالت میں ستر چھپانا۔

۴۹. قربانی کرنا۔

۵۰. جنازے کے امور انجام دینا۔

۵۱. قرض کی ادائیگی۔

۵۲. معاملات میں سچائی۔

۵۳. حق بات کی گواہی دینا اور چھپانا نہیں۔

ب) اہل خانہ سے متعلق (۶ شاخیں):

۵۴. نکاح کے ذریعے پاکدامنی اختیار کرنا۔

۵۵. اہل و عیال کے حقوق اداء کرنا، خادموں سے نرمی۔

۵۶. والدین کے ساتھ حسنِ سلوک۔

۵۷. اولاد کی دینی تربیت۔

۵۸. رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا (صلہ رحمی)۔

۵۹. غلاموں کا اطاعت گزار ہونا (غلاموں سے متعلق حکم)۔

ج) معاشرے سے متعلق (۱۸ شاخیں):

۶۰. حکومت یا کسی بھی منصب پر عدل وانصاف سے کام لینا۔

۶۱. مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی۔

۶۱: مسلمانوں کی جماعت اور جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنا:

یعنی جس طریقے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلتے تھے، اسی راستے پر چلنا اور اسی طرزِ فکر کو اختیار کرنا۔

۶۲: اُولواُلامر (مسلمان حکمرانوں اور ذمہ داروں) کی اطاعت کرنا:

بشرطیکہ ان کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو۔

۶۳: مسلمانوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا:

جب ان کے درمیان اختلاف یا لڑائی پیدا ہو جائے، تو ان کے درمیان اصلاح کرنا۔ اس میں اسلامی حکومت کے باغیوں کے خلاف جہاد بھی شامل ہے۔

۶۴: نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

۶۵: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا:

اپنی استطاعت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔

۶۶: شریعت کے حدود کو قائم کرنا۔

۶۷: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا:

اس میں سرحدوں کی نگرانی کرنا اور حفاظت پر مامور رہنا بھی شامل ہے۔

٦٨: امانت اداء کرنا:

یعنی جو چیز کسی کی امانت ہو، اُسے اس کے مالک کو واپس کرنا۔ اس میں خمس اور دیگر شرعی حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے۔

٦٩: ضرورت مند کو قرض دینا اور قرض کی واپسی کرنا۔

٧٠: پڑوسی کا احترام کرنا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔

٧١: لین دین میں حسنِ معاملہ:

کاروبار کو دیانت داری سے چلانا، اور مال حلال ذرائع سے حاصل کرنا۔

٧٢: مال کو مناسب جگہ پر خرچ کرنا:

فضول خرچی اور اسراف سے بچنا۔

٧٣: سلام کا جواب دینا۔

٧٤: چھینکنے والے کو دعاء دینا:

اگر وہ "الحمد للہ" کہے تو جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا۔

٧٥: لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔

٧٦: بے فائدہ کھیل تماشوں اور لغویات سے بچنا:

ایسے کاموں سے دور رہنا جو نہ دینی نفع دیں نہ دنیوی۔

٧٧: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا:

جیسے کانٹے، پتھر یا کوئی اور نقصان دہ چیز۔ اس میں خراب راستوں کی اصلاح بھی شامل ہے۔

خلاصہ: یہ تمام ستتر (۷۷) شعبے صحیح بخاری کی مشہور شرح عُمدۃ القاری (جلد ۱، صفحہ ۲۱۲) میں بیان ہوئے ہیں۔

جس مسلمان میں یہ شعبے جتنے زیادہ ہوں گے، اس کا ایمان اتنا ہی کامل ہوگا۔

اگر کسی میں یہ تمام شعبے پائے جائیں، وہ کامل مؤمن ہے۔

اور اگر کسی میں یہ شعبے بالکل نہ ہوں، تو وہ بدبخت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان ایمان کے شعبوں کو اپنی زندگی میں اختیار کریں۔ آمین یارب العالمین۔

صحیح نیت کی اہمیت

عبادت میں نیت کا بڑا ہی اہم کردار ہوتا ہے، حتیٰ کہ عبادت کا دارومدار ہی نیت پر ہے۔ اگر کسی کا نیت درست ہو، تو اس کے عبادت کا اجر و ثواب اُسے ملتا ہے، لیکن اگر نیت خراب ہو، تو عبادت بے فائدہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں اُس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی الله علیه وسلم-: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ. (متفق علیه، مشکات ص: ۱۱ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے کسی فائدے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہو، تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہے جس کی نیت کی۔

اس حدیث میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبادت کا ثواب اور فائدہ نیت سے وابستہ ہے، اور ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ دیا جاتا ہے۔

اگر کسی کا نیت صحیح ہو، اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء اس کا مقصود ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے بڑے بڑے اجر عطا فرماتا ہے۔ اور اگر نیت خراب ہو، تو عبادت بھی ناقابل قبول ہوتی ہے۔

عبادت میں نیت کی مثال انسان کی روح جیسی ہے۔

جب انسان میں روح ہو، تو وہ قابل عزت واحترام ہوتا ہے، سب اس کا خیال رکھتے ہیں، اور وہ نیک کام کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی جگہ جائے، تو لوگ کہتے ہیں: "فلاں آیا ہے"۔

لیکن جب انسان سے روح نکل جائے، تو وہی انسان لوگوں کے لیے بوجھ بن جاتا ہے، لوگ جلدی سے اسے دفن کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

اور پھر وہ شخص وہ کام نہیں کر سکتا جو وہ پہلے کرتا تھا۔ اگر وہ کسی جگہ پڑا ہو، تو لوگ کہتے ہیں: "فلاں کی لاش پڑی ہے"، یہ نہیں کہتے کہ "فلاں شخص پڑا ہے"۔

اسی طرح عبادت میں اصل چیز نیت ہے؛ اگر نیت درست ہو تو عبادت فائدہ مند ہوتی ہے، ورنہ ظاہری عمل کے باوجود بے سود ہوتی ہے۔

عبادتوں میں نیت کے ایسے انوکھے اثرات ہوتے ہیں جو خود عبادت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ مباح (یعنی جائز) عمل بھی اگر صحیح نیت سے کیا جائے تو باعثِ ثواب بن جاتا ہے، اور اگر نیت خراب ہو تو نیک عمل بھی بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

ایک عالم لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے مباح اعمال ان کے لیے عبادت بن جاتے ہیں، اور انہی کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ (الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان: ۱۲۵)

عن أبي عبدِ اللهِ جابر بن عبدِ اللهِ الأنصاريِّ رَضي اللهُ عنهما، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبيِّ - صلى الله عليه وسلم - في غَزَاةٍ، فَقالَ: إنَّ بالمدِينَةِ لَرِجَالاً ما سِرْتُمْ مَسِيراً، وَلاَ قَطَعْتُمْ وَادِياً، إلاَّ كَانُوا مَعَكمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ. وَفي روَايَة: إلاَّ شَرَكُوكُمْ في الأجْرِ (رواهُ مسلم، رياض الصالحين ص: ٢١ ج: ١).

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ - رضی اللہ عنہ - روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ آپ نے فرمایا:

مدینہ میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ تم نے جو بھی سفر کیا یا کوئی وادی پار کی، وہ تمہارے ساتھ رہے۔ انہیں بیماری نے روک لیا، لیکن (نیت کی وجہ سے) وہ تمہارے اجر میں شریک ہیں۔

اس حدیث سے نیت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص جہاد یا کسی نیک عمل کی نیت کرے، لیکن عذر کی وجہ سے وہ کام نہ کر سکے، تو اُسے ویسا ہی ثواب ملتا ہے جیسے اُس نے وہ عمل کیا ہو۔

اور جتنا زیادہ وہ دل میں افسوس کرتا ہے، اجر اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔

صحیح نیت کی وجہ سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ-صلی اللہ علیہ وسلم-: مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ وَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ. (رواہ مسلم ص:۸۰، ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ-سے روایت ہے کہ رسول اللہ-ﷺ-نے فرمایا: جو شخص نیکی کا ارادہ کرے، مگر وہ عمل نہ کر سکے، اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

اگر وہ نیکی کر لے، تو دس سے لے کر سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے، مگر وہ عمل نہ کرے، تو وہ برائی نہیں لکھی جاتی، اور اگر وہ برائی کر لے، تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: بعض اوقات کوئی چھوٹا سا عمل ہوتا ہے، لیکن نیت اُسے عظیم بنا دیتی ہے۔اور کبھی کوئی بڑا عمل ہوتا ہے، لیکن نیت اُسے معمولی کر دیتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بلند مقام حاصل ہوا، وہ اسی اخلاص نیت کی وجہ سے حاصل ہوا۔

ایک عالم نے فرمایا: نیت کو عبادت سے پہلے درست کرو، اور جب تک تم خیر کی نیت پر ہو، تم خیر اور ثواب کے کام میں مشغول ہو!"

دوسرے عالم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ انسان سے اُس کی نیت اور ارادہ مانگتا ہے، عمل کی زیادتی نہیں؛ اگر نیت خالص ہے تو عمل خواہ تھوڑا ہو، اللہ کے ہاں مقبول ہے۔"

ایک اور عالم نے فرمایا: دل کی صحت نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے، اور اعمال کی اصلاح نیت کی درستی سے ہوتی ہے۔"

مزید فرمایا گیا: نیت سیکھو! کیونکہ نیت، عبادت سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔"

ایک اور عالم نے کہا: سارا خیر نیتِ صالحہ میں جمع ہے، اور یہ خیر تمہارے لیے کافی ہے، چاہے تم نے عمل نہ بھی کیا ہو!"

یعنی صحیح نیت میں بے شمار خیر و برکت اور ثواب ہوتا ہے، حالانکہ نیت کرنے سے انسان تھکتا بھی نہیں۔

صحیح نیت کی حقیقت کیا ہے؟

علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص عبادت کرتا ہے، اس کی صحیح نیت کے تین درجے ہوتے ہیں:

پہلا درجہ:

عبادت اس لیے کرنا کہ اللہ کے عذاب کا خوف ہے۔

یہ غلاموں کا عبادت ہے، جو خوفِ خدا کے زیرِ اثر بندگی کرتا ہے۔

دوسرا درجہ:

عبادت اس لیے کرنا کہ جنت حاصل ہو اور جہنم سے نجات ملے۔

یہ تاجروں کا عبادت ہے، جو نفع کے امید اور نقصان سے بچاؤ کی نیت سے نیک اعمال کرتا ہے۔

تیسرا درجہ:

عبادت اس وجہ سے کرنا کہ انسان اللہ سے حیاء محسوس کرتا ہے، اللہ کی بندگی اور اس کے شکر کا حق اداء کرنا چاہتا ہے۔

ایسا بندہ عبادت کے بعد بھی خود کو قاصر اور گناہ گار سمجھتا ہے، اور خوف میں مبتلاء رہتا ہے کہ نہ معلوم اللہ یہ عمل قبول کرے گا یا نہیں؟

یہ آزاد انسانوں کا عبادت ہے، اور اسی طرف نبی کریم - ﷺ - نے اشارہ فرمایا ہے:

جب آپ - ﷺ - کے پائے مبارک تہجد کے قیام میں متورم ہو گئے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، جب کہ اللہ نے آپ کے تمام پچھلے اور آئندہ گناہ معاف فرما دیے ہیں؟"

تو آپ - ﷺ - نے فرمایا: أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟

"کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

(یعنی میں عبادت کے ذریعے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں)

(ماخذ: شرح الأربعين للنووي، ص: ۷)

یہ تینوں درجے اخلاص رکھنے والوں کے ہیں، اور یہ سب درست اور حق پر ہیں۔

جب کسی انسان کے دل میں اخلاص ہوتا ہے اور اس کی نیت خالص ہوتی ہے، تو شیطان اس کے عبادت کو برباد کرنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔

وہ اس کے دل میں تکبر اور غرور ڈالنے کی کوشش کرتا ہے،

اسے کہتا ہے:

"تم تو بہت نیک ہو!"

"تم تو بڑے عظیم عبادت گزار ہو!"

"دوسرے لوگ تم جیسے نیک نہیں!"

یوں وہ مخلص انسان کو بھی اپنے دام فریب میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔
پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے نیت اور دل کی حفاظت کرے اور ریاء، غرور اور نفس کی چالوں سے بچتا رہے۔

کن کاموں میں نیت کا اثر ہوتا ہے؟

انسان کے تمام اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱. عبادات اور نیکیاں:

یہ وہ کام ہیں جو اللہ کی رضاء کے لیے کیے جاتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ۔

ان اعمال کا اجر و ثواب مکمل طور پر نیت پر منحصر ہوتا ہے۔

اگر نیت خالص اللہ کے لیے ہو تو ثواب ملتا ہے،

اور اگر نیت میں ریاء، دکھاوا یا نفس پرستی ہو،

تو نہ صرف یہ کہ ثواب نہیں ملتا، بلکہ گناہ بھی ہو سکتا ہے۔

۲. معاصی و گناہ:

یہ وہ اعمال ہیں جو شریعت میں ناجائز قرار دیے گئے ہیں، جیسے چوری، جھوٹ، غیبت، زنا وغیرہ۔

گناہ اگرچہ کسی نیک نیت سے بھی کیا جائے، تب بھی وہ گناہ ہی رہتا ہے۔
مثلاً: اگر کوئی شخص غیبت اس نیت سے کرے کہ دوسرے مسلمان خوش ہوں، تو غیبت پھر بھی حرام ہے، نیت سے جائز نہیں بن جاتی۔

اگر کوئی شخص چوری کرے، اور پھر وہ مال صدقہ کر دے،
تو اس صدقہ سے چوری کا گناہ معاف نہیں ہوتا۔
یہ گناہ اپنے اصل وصف پر باقی رہتا ہے۔
بلکہ گناہ کے ساتھ نیتیں بھی خراب ہوں، تو اس گناہ کا وزن اور بڑھ جاتا ہے۔

۳. مباح اعمال:

یہ وہ کام ہیں جو نہ عبادت ہیں اور نہ گناہ، یعنی جائز اور دنیاوی کام ہیں، جیسے کھانا، سونا، عطر لگانا، تجارت کرنا وغیرہ۔
ایسے اعمال میں نیت کا بڑا اثر ہوتا ہے:
اگر انسان اچھی نیت سے یہ کام کرے،
تو یہی مباح عمل عبادت بن جاتا ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے۔
مثال: اگر کوئی شخص عطر اور خوشبو صرف خوشبو کے شوق میں لگائے، تو یہ ایک مباح عمل ہے۔
لیکن اگر وہی خوشبو سنتِ نبوی پر عمل کی نیت سے لگائے، یا اس نیت سے کہ مسلمان بھائیوں کو اچھی خوشبو سے راحت ہو، اور بدبو سے پریشان نہ ہوں، تو اس پر ثواب ملے گا۔
لیکن اگر خوشبو دکھاوے کے لیے یا تکبر اور مالداری کا اظہار کرنے کے لیے لگائی جائے،
تو یہی عمل گناہ بن سکتا ہے۔

خلاصہ: اچھے نیت کا ہونا نیک عمل کو بلند مقام دیتا ہے، گناہ کو جائز نہیں بناتا، اور مباح عمل کو عبادت میں بدل دیتا ہے—
بشرطیکہ نیت خالص اور درست ہو۔"

کیسے جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی رضاء بہت عظیم الشان چیز ہے جس کے حصول کی کوشش ہر وقت ایک مسلمان کرتا رہتا ہے، کیونکہ مسلمان اپنی عبادات صرف اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے، اور گناہوں سے بھی اسی لیے بچتا ہے تاکہ اس عظیم مقصد کو حاصل کر سکے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی سے راضی ہو جاتا ہے، تو وہ انسان یقیناً کامیاب اور خوش نصیب ہے، اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں داخل ہو کر ابدی راحت اور خوشی کا مالک بنے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور یہ عظیم الشان نظام اسی لیے پیدا کیا ہے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس سے راضی ہے اور کس سے ناراض۔ اسی مقصد کے لیے جنت و دوزخ کو بھی پیدا فرمایا ہے، تاکہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، انہیں انعامات دے، اور جو (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے، ان کو سزا دے۔

حساب، پل صراط، میزان اور ترازو بھی اسی مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے مطابق معاملہ کیا جائے۔

اگر اللہ رب العزت کسی سے راضی ہو جائے، تو یہ اس کے لیے بہت بڑی کامیابی اور عظیم فلاح ہے، اور اگر ناراض ہو جائے تو یہ اس

کے لیے بہت بڑی ہلاکت، حقیقی بد بختی، دائمی رسوائی اور سخت عذاب کا سبب ہے۔

لہٰذا، ہمارے لیے زندگی کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہم اللہ جل جلالہ کو راضی کریں۔

اسی لیے انسان کے لیے سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی تلاش میں رہے، اور ہر اس چیز سے دوری اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہو۔

یہی اسلام کے دین کی اصل اور بنیاد ہے، اور اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

رسول اللہ - ﷺ - بھی بار بار اللہ جل جلالہ سے یہ دعاء مانگتے تھے کہ وہ اللہ کی ناراضگی سے بچ جائیں، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

«اللَّهُمَّ إِنِّيْ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لاَ أُحصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ» (مسلم، ج:۱، ص: ۱۹۲)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری رضاء کے ذریعے تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں، اور تیری عافیت کے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں، اور میں تجھ ہی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں تیری حمد وثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: میں نے غور کیا کہ سب سے زیادہ فائدہ مند دعاء کون سی ہے؟ آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ سب سے مفید اور اعلیٰ دعاء وہی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی رضاء مانگے۔

یعنی بندے کے لیے سب سے بہتر دعاء یہی ہے کہ وہ یوں مانگے: "اے اللہ! آپ مجھ سے راضی ہو جائیں!"

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیسے جانیں کہ اللہ رب العزت ہم سے راضی ہے یا ناراض؟

اس کے کچھ آثار اور نشانیاں ہیں۔ ان میں کچھ اجتماعی ہیں جو معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں، اور کچھ انفرادی، جو فرد کے ساتھ خاص ہیں۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان نشانیوں پر غور کرے اور پھر اپنی اور اپنے معاشرے کی حالت کا جائزہ لے کہ یہ نشانیاں ہم میں کتنی پائی جاتی ہیں۔ اگر پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور ان پر قائم رہے، اور اگر نہ ہوں تو کوشش کرے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے۔

یہ نشانیاں درج ذیل ہیں:

ا. نیکی اور عبادت میں استعمال ہونا:

جب اللہ تعالیٰ کسی کو خیر کے کاموں میں مشغول کرتا ہے، اپنی اطاعت و عبادت میں لگاتا ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

اور اگر کوئی شخص گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلاء ہو، تو یہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ** (سورۃ محمد:۱۷)

ترجمہ: اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہوئے، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے۔

یعنی جو لوگ سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دین پر پختگی میں اضافہ کرتا ہے اور تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔ تو جس کا طرز زندگی دین کے مطابق ہو، وہ اللہ کی رضاء کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** (سورۃ العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھاتے ہیں، اور بے شک اللہ نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔

یعنی جو دین کے لیے قربانیاں دیتے ہیں، ہم انہیں جنت کی راہیں دکھاتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ -رضی اللہ عنہ- أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ، فَقِيلَ: وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ (رواه الترمذی ص: ۳۶ ج: ۲، وابن حبان ص: ۵۲ ج: ۲ و مسند الصحابة: ۳۵۱ ج: ۳۰ و قال الترمذی: حدیث صحیح).

ترجمہ: حضرت انس –رضي الله عنه– سے روایت ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے (نیکی کے لیے) استعمال کرتا ہے۔ پوچھا گیا: کیسے؟ فرمایا: اس کو موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دیتا ہے۔

تو جسے نیکیوں کی توفیق مل رہی ہو، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، اور جو معصیت و نافرمانی میں مشغول ہو، تو (العیاذ باللہ) وہ اللہ کی ناراضگی میں ہے۔

۲. سنت نبوی کی پیروی:

جب اللہ تعالیٰ کسی کو رسول اللہ -ﷺ- کے مبارک سنتوں پر چلنے کی توفیق دیتا ہے، اور وہ اپنی زندگی سنت کے مطابق گزارتا ہے، تو یہ بھی اللہ تعالی کی رضاء کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ** (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: (اے نبی! فرما دیں) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، تمہارے گناہ معاف کرے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

اس آیت میں دو بڑے انعامات کا ذکر ہے:

۱. اللہ کی طرف سے محبت

۲. گناہوں کی معافی

اور ظاہر ہے کہ جس سے اللہ محبت کرتا ہے، وہی اللہ کی رضاء کا مستحق ہوتا ہے۔

۳. قرآن مجید سے تعلق:

قرآن کریم سے تعلق رکھنا، اسے پڑھنا، سیکھنا، اور اس پر عمل کرنا، یہ بھی اللہ کی رضاء کی ایک بڑی نشانی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ نِعْمَ الشَّفِيعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّهُ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا رَبِّ حَلِّهِ حِلْيَةَ الْكَرَامَةِ فَيُحَلَّى حِلْيَةَ الْكَرَامَةِ يَا رَبِّ اكْسُهُ كِسْوَةَ الْكَرَامَةِ فَيُكْسَى كِسْوَةَ الْكَرَامَةِ يَا رَبِّ أَلْبِسْهُ تَاجَ الْكَرَامَةِ يَا رَبِّ ارْضَ عَنْهُ فَلَيْسَ بَعْدَ رِضَاكَ شَيْءٌ» (رواه الدارمی، ج: ۲، ص: ۵۲۲)

ترجمہ: قرآن پڑھو! کیونکہ قیامت کے دن قرآن بہت اچھا شفاعت کرنے والا ہوگا۔ وہ کہے گا: اے رب! اسے عزت کا زیور پہنا دے، اسے عزت کا لباس پہنا دے، اسے عزت کا تاج پہنا دے، اور اے رب! تو اس سے راضی ہو جا، کیونکہ تیری رضاء کے بعد اور کچھ نہیں بچتا جو اس سے بڑھ کر ہو!

۴. دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت:

جب کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزین ہو جائے، تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ}

ترجمہ: اللہ ان سے محبت کرتا ہے، اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا سبب بندے کی محبت کو قرار دیا ہے، یعنی جو بندہ اللہ تعالی سے محبت رکھتا ہے، وہ اللہ تعالی کی رضاء کا مستحق بن جاتا ہے۔

۵: اخلاص، نماز اور زکات

عَنْ أَنَسِ بن مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ فَارَقَ الدُّنْيَا عَلَى الإِخْلَاصِ لِلَّهِ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ وَإِقَامِ الصَّلاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ فارقها وَاللَّهُ عَنْهُ رَاضٍ.(رَوَاهُ ابنُ ماجة ص: ٨ والحاكمُ في المستدرك ص: ٣٦٢ ج: ٢، والحديث حسن للشواهد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک — رضي الله عنہ — سے روایت ہے کہ رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم — نے فرمایا: جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص عبادت کرتا ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، نماز قائم کرتا ہو اور زکات ادا کرتا ہو، تو وہ شخص اس حالت میں دنیا سے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔

اس حدیثِ مبارک میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص یہ تین کام انجام دے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جس کے زندگی میں یہ تین صفات پائی جائیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش اور راضی ہے۔

۶: دین داری

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ قَسَمَ بَیْنَکُمْ أَخْلَاقَکُمْ کَمَا قَسَمَ بَیْنَکُمْ أَرْزَاقَکُمْ، وَإِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُحِبُّ وَمَنْ لَا یُحِبُّ، وَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّ، فَمَنْ أَعْطَاہُ اللّٰہُ الدِّیْنَ فَقَدْ أَحَبَّہُ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، لَا یُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰی یَسْلَمَ قَلْبُہُ وَلِسَانُہُ، وَلَا یُؤْمِنُ حَتّٰی یَأْمَنَ جَارُہُ بَوَائِقَہُ. (رواہ احمد ص: ۱۸۹ ج: ۶، والبیھقي في شعب الایمان ص: ۴۲۵ ج: ۱، وھو في المشکاۃ ص: ۴۲۵ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود — رضي اللہ عنہ — سے روایت ہے کہ رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم — نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق اسی طرح تقسیم کیے ہیں جیسے اس نے تمہاری روزی تقسیم کی ہے، اور اللہ تعالیٰ دنیا (مال و دولت) ان کو بھی دیتا ہے جن سے محبت کرتا ہے اور ان کو بھی دیتا ہے جن سے محبت نہیں کرتا، لیکن دین صرف اسی کو عطا کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

پس جسے اللہ تعالیٰ دین دے دے، یقیناً وہ اللہ کا محبوب ہے۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!

کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان اسلام نہ لے آئے،

اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جس شخص کے اندر دین داری ہو، یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

پس دین داری بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کی ایک علامت ہے۔

۷: ایک اجتماعی علامت جو معاشرے سے تعلق رکھتی ہے

یہ ہے کہ جب بارش اپنے مقررہ موسم میں ہوتی ہے، حکمران نیک لوگ ہوتے ہیں، اور مالدار لوگ سخی ہوتے ہیں،

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمومی طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہے۔

بعض آثار میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ –علیہ السلام– سے درخواست کی کہ آپ اپنے رب سے پوچھیں کہ وہ ہم سے کب راضی ہوتا ہے اور کب ناراض؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ –علیہ السلام– کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا:

"جب میں بارش اس کے مقررہ موسم میں برساتا ہوں، نیک لوگوں کو تم پر حکمران بناتا ہوں اور مال سخی لوگوں کے ہاتھوں میں دیتا ہوں، تو اس وقت میں تم سے راضی ہوتا ہوں۔

اور جب میں بارش بے موسم برساتا ہوں، بدکار لوگوں کو تم پر حاکم بناتا ہوں، اور مال بخیلوں کے ہاتھوں میں دیتا ہوں، تو اس وقت میں تم سے ناراض ہوتا ہوں۔" (قوت القلوب ص:۱۳۸)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضاء نصیب فرمائے، آمین۔

پانچ باتیں جو انسان کو کامیابی تک پہنچاتی ہیں

پانچ ایسی قیمتی باتیں ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو ان شاءاللہ تعالیٰ انسان کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہیں۔

یہ باتیں احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

دیوبند کے علماء کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے ایک تختی پر یہ پانچ جملے تحریر فرمائے تھے :

۱ : اعْمَلْ لِدُنْيَاكَ بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِيهَا .

ترجمہ: دنیا کے لیے اتنا ہی کام کرو جتنا وقت تمہیں اس میں رہنا ہے!

دنیا کی زندگی بہت تھوڑی اور ناقابل اعتماد ہے۔

چاہے جتنی بھی لمبی ہو جائے، آخرکار جلد ختم ہونے والی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی۔

انہوں نے ۹۵۰ سال دعوت دی، اس کے علاوہ بھی ان کی عمر تھی۔

بعض روایات کے مطابق ان کی مکمل عمر ۱۶۰۰ سال تھی۔

مگر موت کے وقت جب فرشتۂ موت نے ان سے پوچھا:

كَيْفَ وَجَدْتَ الدُّنْيَا؟ قَالَ نُوحٌ: مِثْلَ دَارٍ لَهَا بَابَانِ، دَخَلْتُ مِنْ هٰذَا وَخَرَجْتُ مِنْ هٰذَا (تفسیر القرطبی ص: ۲۹۵ ج: ۱۳)

ترجمہ: دنیا کو کیسا پایا؟

نوح علیہ السلام نے فرمایا: ایسا گھر کیطرح جس کے دو دروازے ہوں، ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا!

علامہ قرطبیؒ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بنی نوح بیتا من قصب فقیل له: لو بنیت غیر هذا فقال: هذا کثیر لمن یموت (تفسیر القرطبی ص: ۲۹۵ ج: ۱۳)

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام نے گھاس پھونس کا ایک مکان بنایا، لوگوں نے کہا: اگر آپ کچھ بہتر مکان بناتے؟ آپ نے فرمایا: جو مرنے والا ہے، اس کے لیے تو یہ بھی بہت ہے!

(۲) دوسری بات یہ ہے: وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا.

ترجمہ: آخرت کے لیے اتنا کام کرو جتنا وقت تمہیں وہاں رہنا ہے! آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ کی ہے، اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ اس ابدی زندگی کے لیے زیادہ کوشش کی جائے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے: وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ إِلَيْهِ .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا عمل کرو جتنی تمہیں اس کی ضرورت ہے!

انسان کو اللہ تعالیٰ کی حاجت ہر لمحہ اور ہر حالت میں ہوتی ہے۔

کوئی بھی کام اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے عقلمندی یہی ہے کہ اللہ کی رضاء کو ہر چیز پر مقدم رکھا جائے۔

(۴) چھوتھی بات یہ ہے: اِسْأَل عَنِ الَّذِی لَا یَحْتَاجُ إِلَی أَحَدٍ!!

ترجمہ: صرف اس سے مانگو جو کسی کا محتاج نہیں !!
وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کے خزانے بھر پور ہیں، اور جو مانگنے پر خوش ہوتا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے : وَاعْمَلْ لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَيْهَا۔
ترجمہ: جہنم کے لیے اتنا عمل کرو جتنا تم اس کی آگ پر صبر کر سکو!
یعنی جتنی تمہیں دوزخ کے عذاب کی طاقت ہے، اتنے گناہ کرو! حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی انسان دوزخ کی آگ کو برداشت نہیں کر سکتا۔
جب ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔
یہ پانچ قیمتی باتیں اگر ہم اپنی زندگی میں سامنے رکھیں، تو ان شاء اللہ یہ ہماری کامیابی کا ذریعہ بنیں گی اور گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔
اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انسان سے ایمان کیسے چلا جاتا ہے؟

ایمان سب سے بڑی اور قیمتی دولت ہے۔ ایمان جیسی کوئی اور نعمت انسان کو میسر نہیں، مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں کفر یا نفاق جنم لیتا ہے۔ اس کے تین اسباب ہوتے ہیں:

پہلا سبب:

ایمان کا چراغ اسی وقت روشن ہوتا ہے جب اس کے لیے ضروری ساز و سامان فراہم کیا جائے۔ جیسے آگ کو روشن رکھنے کے لیے ایندھن یعنی لکڑی، گیس، تیل یا دیگر جلنے والے مواد کی ضرورت ہوتی ہے، اگر یہ مواد میسر نہ ہو تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے، اسی طرح ایمان کا نور بھی مخصوص ذرائع سے روشن رہتا ہے۔

ایمان کے چراغ کو روشن رکھنے کے لیے علم نافع اور نیک عمل ضروری ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دین کا علم حاصل کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ اگر کوئی شخص صرف اتنا کہے کہ "میں مسلمان ہوں"، لیکن دین کی باتوں کو سنے نہ، دین کا علم حاصل نہ کرے، عبادت کی کوشش نہ کرے، نہ دوسروں سے دین کی بات سنے، نہ خود مطالعہ کرے اور نہ عمل کرے، تو ایمان کا چراغ بجھ جائے گا۔ اس کی روشنی ماند پڑ جائے گی، اور اس کی جگہ کفر، شرک اور نفاق کی تاریکیاں گھر کر جائیں گی۔

اسی حقیقت کی طرف قرآنِ کریم میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (البقرة: ۱۷)

ترجمہ: "ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، پھر جب اس نے ارد گرد کو روشن کر دیا، تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، جہاں وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔"

منافقین نے ابتداء میں ایمان قبول کیا، اس ایمان کی روشنی سے دنیاوی فوائد حاصل کیے، جیسے مالِ غنیمت، زکوٰۃ، خیرات، اور مسلمانوں کی طرف سے امن و سلامتی، لیکن انہوں نے ایمان کے تقاضے پورے نہ کیے۔ انہوں نے اس چراغ کو روشن رکھنے کے لیے ضروری مواد فراہم نہ کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی چلی گئی اور صرف راکھ باقی رہ گئی۔

لہٰذا، جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا ایمان روشن رہے، اسے چاہیے کہ علمِ نافع حاصل کرے اور نیک عمل کا اہتمام کرے۔ صرف پرانی باتوں پر اکتفا نہ کرے بلکہ دین کی نئی باتیں سننے اور پڑھنے کا معمول بنائے۔

اسی وجہ سے نبی کریم - ﷺ - جمعے کے دن خطبہ ارشاد فرماتے، جس میں وعظ، نصیحت اور دینی مسائل بیان کیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (الذاریات: ۵۵)

ترجمہ: "اور نصیحت کرتے رہو، بے شک نصیحت مؤمنوں کو فائدہ دیتی ہے۔"

اس آیت میں واضح ہے کہ مؤمنین کے لیے نصیحت مفید ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ ہم تو یہ باتیں پہلے ہی سن چکے ہیں، قابل قبول نہیں۔

۲ – ایمان کی مثال ایک ہرے بھرے درخت کی مانند ہے، جس کی میوہ، پھول، جڑ، شاخیں اور خوشگوار خوشبو ہوتی ہے۔ اس درخت کی اصل اور جڑ کی صفائی رکھنا، ان گھاسوں کو جو درخت کو کمزور کرتے ہیں اور نقصان پہنچاتے ہیں، اس درخت کو ہر وقت پانی دینا اور چوروں سے حفاظت کرنا ضروری ہے۔ یہ کام اس کا مالک کرتا ہے، پھر وہ اپنے درخت سے میوہ حاصل کرے گا اور وہ درخت اس کے لیے فائدہ اور نتیجہ دے گا۔ اگر کوئی فصل بوئے اور پھر اس کا خیال نہ رکھے، نہ پانی دے، نہ نقصان دہ گھاسوں اور دیگر چیزوں سے بچائے، نہ چوروں سے حفاظت کرے، بس صرف فصل بوئے اور باقی چھوڑ دے، تو سب جانتے ہیں کہ ایسی فصل انسان کے کام کی نہیں ہوتی بلکہ وہ محنت، تھکن اور بیج بے کار چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسی فصل جلدی خشک ہو جائے گی، یا اگر خشک نہ بھی ہو، تو پھل نہیں دے گی، اور اگر دے بھی گی تو چور لے جائیں گے، اس کو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ایمان بھی ایسا ہی چاہتا ہے کہ وحی کے پانی سے، قرآن کریم، احادیث، دین کے علم اور نیک عمل کے پانی سے اس کو سیراب کرے، شک و شبہات، بدعات اور گناہوں سے توبہ نصوح (خالص توبہ) کے ذریعے حفاظت کرے۔ افراط و تفریط سے پاک کرے اور اعتدال اور انصاف کے ساتھ اسے مہذب بنائے، تب ایسا ایمان انسان کے

ساتھ قائم رہے گا اور آخرت میں فائدہ دے گا، عذاب سے نجات کا سبب بنے گا اور جنت تک پہنچنے کا ذریعہ ہوگا۔ اگر یہ کام ایمان کے لیے نہ کیے جائیں، تو اس درخت کا خشک ہونا اور کمزور پڑنا گھاسوں کے خشک ہونے اور کمزور ہونے سے بھی جلد اور یقینی ہے۔ یہ کام جو انسان کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذات اور صفات کا معرفت ضروری ہے۔ اسی طرح آخرت کے دن کا سوچنا اور اپنے ساتھ حاضر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کو صحیح پہچانتا ہے اور اس پر یقین اور عقیدہ مضبوط ہو جاتا ہے اور یہ خیال ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میری کوئی بھی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں ہے، اور ایک دن میں اس کے سامنے کھڑا ہوں گا اور میرے اعمال کے مطابق مجھے جزا و سزا دی جائے گی، تو پھر یہ کام کر سکتا ہے اور دین پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مثال کی طرف اشارہ فرمایا ہے: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (سورة ابراهيم: ۲۴،۲۵)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاک کلمہ کا مثال کیسے بیان کیا ہے؟ جیسے ایک اچھا درخت جس کی جڑیں مضبوط (زمین میں) پیوست ہیں اور شاخیں آسمان کی طرف بلند ہیں، جو اپنے

رب کے حکم سے ہر وقت اپنی میوے دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے کلمے کے لیے مثال بیان کی ہے۔ مثال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت بہت سے فائدے رکھتا ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے، اس کی شاخیں زمین سے آسمان کی طرف اٹھتی ہیں اور اس کے پھل ہر وقت مختلف اقسام میں موجود رہتے ہیں، اسی طرح مومن کا ایمان اور عقیدہ ہے: اس عقیدے کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہے، شک و شبہات سے پاک ہے، یہ عقیدہ دل میں ہے اور اس عقیدے سے جو اعمال پیدا ہوتے ہیں، وہ قبولیت کے لیے آسمان کی طرف اٹھتے ہیں، اس عقیدے کے برکت اور فوائد ہر وقت حاصل ہوتے ہیں، دنیا میں بھی، قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔

کشجرۃ: بخاری شریف کے حدیث میں آیا ہے کہ اس درخت سے مراد کھجور (کجور) کا درخت ہے (بخاری ص: ۶۸۱ ج: ۲)

طیبہ: اس کا چہرہ خوشگوار ہے، بہت سے فوائد اس میں ہیں، پتوں اور لکڑی دونوں میں فائدے ہیں۔

درخت کی مثال کے ساتھ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس درخت کی ترقی اور تازگی پانی دینے سے

آتی ہے، اسی طرح مؤمن کا ایمان بھی دین کی باتوں سے تازہ اور مضبوط ہوتا ہے۔
درخت کے قائم رہنے اور کھڑے ہونے کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

۱: جڑ

۲: تنہ

۳: شاخیں

اسی طرح ایمان کے لیے کہ مالک اسے عذاب سے بچائے اور جنت تک پہنچائے، تین چیزیں ضروری ہیں:

۱: دل کا یقین اور ایمان

۲: زبان سے ایمان کا اقرار

۳: اعضاء سے عمل کرنا

جب یہ تین صفات موجود ہوں، تو ایمان انسان کو ناکامی سے کامیابی تک پہنچائے گا، لیکن اگر یہ تین خصوصیات نہ ہوں تو ایمان کا باقی رہنا مشکل ہے، جیسے درخت کا باقی رہنا ان تین چیزوں کے بغیر مشکل اور ناممکن ہوتا ہے۔

۳ - مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، کسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔ خواہ اس کا دل بیدار ہو یا نہ ہو، جب وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں لگا رہے، تو نفاق اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتا۔ اس کے برعکس منافق ایسا ہوتا ہے کہ اگر اسے ذرا سی دنیاوی فائدہ نظر آئے کسی عبادت میں تو عبادت کرتا ہے، اور اگر فائدہ نہ ہو تو عبادت اور دین کی پرواہ نہیں کرتا۔

اس وقت نفاق اس کے دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور اس طرح اس کے دل میں وہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کے دل میں منافقت آگئی ہے، یہاں تک کہ منافقت اس کے دل میں محکم اور مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کے آثار اور نشانیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تب اس کے لیے توبہ کا موقع بھی کم یا ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی عبادت اور اللہ کے ذکر میں تسلسل نہیں ہوتا، جب لوگ کسی جگہ ہوتے ہیں تو وہ بھی عبادت کرتا ہے، تسبیح گھماتا ہے، نمازیں پڑھتا ہے، لمبی رکوع اور سجدے کرتا ہے، لیکن جب لوگ نہ ہوں اور غافل ہو تو نہ اللہ کا ذکر کرتا ہے اور نہ آخرت کا خیال۔ اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء نہیں رکھتا، عبادت مخلوق کے لیے کرتا ہے، اللہ کی رضاء اس کا مقصد نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں سزا کے طور پر نفاق داخل کرتا ہے اور آخرکار ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اور دنیا سے خالی ہاتھ آخرت کو جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے، ایسا نہیں کہ سال میں صرف رمضان کے مہینے میں عبادت کرے اور باقی مہینے فارغ ہوں، یا ہفتے میں صرف جمعہ کے دن تھوڑی عبادت کرے اور باقی دن فارغ ہوں، بلکہ ہر وقت دین کی پابندی میں زندگی گزارنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی توجہ اور

فکر ہر گز نہ ہٹانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ایمان کی ضرورتوں کے مطابق عمل کریں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان سے جدا نہ کرے۔

گناہوں کی مغفرت اور بخشش کے اسباب

مسلمان کے لیے یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے پاک کلام اور سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مغفرت اور بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔
اسی طرح کچھ اعمال ایسے ہیں جن کے بدلے میں نہ صرف بڑے بڑے انعامات عطا فرماتا ہے، بلکہ بندے کے گناہ بھی معاف فرمادیتا ہے۔

انسان سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں، اور ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی میں گناہوں کی معافی حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور ایسے اعمال اختیار کرے جن کے ذریعے اس کے گناہ معاف ہو سکیں، کیونکہ یہی زندگی کمائی، تجارت اور کھیتی باڑی کی جگہ ہے۔

اسی بارے میں میں مختصر طور پر وہ اعمال اور اسباب ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی کوتاہیوں اور گناہوں پر معاف فرمادیتا ہے۔

ان اعمال کو انجام دینے میں ہر شخص کو محنت کرنی چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

{۱} توحید کا عقیدہ اور شرک سے بچنا

گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا سب سے بنیادی اور اولین سبب "توحید" ہے۔ اگر کسی کے اندر یہ سبب موجود نہ ہو تو اس کے لیے مغفرت ممکن نہیں، اور اگر یہ موجود ہو، تو گویا اس نے مغفرت کا سب سے بڑا ذریعہ پالیا ہے۔

اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں : الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الانعام : ۸۲)

ترجمہ : وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ آلودہ نہ کیا، انہی کے لیے (آخرت میں) امن ہے اور وہی (دنیا میں) ہدایت یافتہ ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا : إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء : ۴۸)

ترجمہ : یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ (دیگر گناہ) جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے، تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ گھڑ لیا۔

اس بابرکت آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں اللہ سے ملاقات کرے کہ وہ شرک میں مبتلاء رہا ہو، تو اللہ اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔
اور شرک کے علاوہ دیگر گناہ جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔

اگر کسی کے پاس توحید ہو، اور اس کے گناہ زمین بھر کے برابر بھی ہوں، تب بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرمادے گا۔
اگر اسے معافی نہ ملی، تو اسے عذاب میں مبتلاء کیا جائے گا، مگر انجام کار یہ ہوگا کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ رہے گا، بلکہ سزا کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(۲) استغفار اور توبہ (اللہ سے معافی مانگنا)

یہ ان اعمال میں سے ہے جن کی بدولت اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران: ۱۳۵)

ترجمہ : اور وہ لوگ کہ جب کبھی کوئی بڑی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنے آپ پر ظلم کر لیں، تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں،

اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخشے ؟اور وہ (لوگ) اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، جب کہ وہ جانتے ہوں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا یہ وصف ذکر کیا ہے کہ جب ان سے گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ان لوگوں کو مغفرت کی بشارت بھی دی ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں، جو انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا تھا : فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (سورۃ نوح:١٠).

ترجمہ : تو میں نے ان سے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو! یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے : وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء:١١٠)
ترجمہ : اور جو کوئی برائی کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے، پھر اللہ سے معافی مانگے، تو وہ اللہ کو بڑا بخشنے والا، مہربان پائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا اعلان فرمایا ہے کہ جو بھی سچے دل سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے ایک درج ذیل ہے :

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (رواه مسلم ص: ۳۵۸ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (بلا کیف) اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار توبہ کرے، اور دن کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہگار توبہ کرے، یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

یعنی رات ہو یا دن، جب بھی کوئی بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، تاآنکہ قیامت کی بڑی نشانی یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا واقع ہو جائے۔

پس، معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ گناہوں کی معافی کے سب سے مؤثر اسباب میں سے ایک ہیں۔

(۳) نیک اعمال

بہت سے نصوص سے ثابت ہے کہ خواہ نیک عمل فرض ہوں یا نفل، ان کے ذریعے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ (رواه الترمذی ص:۱۹ ج۲ و احمد ص: ۲۸۴ ج: ۳۵ وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

ترجمہ : حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو! برائی کے بعد نیکی کرو، وہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے، اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

اس حدیث مبارکہ میں تین ہدایات ہیں، جن میں ایک یہ ہے کہ گناہ کے بعد نیکی کرو، کیونکہ نیکی گناہ کے کفارے اور مغفرت کا ذریعہ بنتی ہے۔

اسی مضمون کو قرآن مجید نے بھی بیان فرمایا ہے : إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورة ہود : ۱۱۴)
"یعنی یقیناً نیکیاں برائیاں مٹا دیتی ہیں۔

اور ایک اور جگہ فرمایا : اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل: ۳۲)

ترجمہ: ان اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کیا کرتے تھے۔

جنت میں صرف وہی داخل ہو سکتا ہے جس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں، کیونکہ جنت پاک لوگوں کا ٹھکانا ہے، ناپاک لوگ اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔
لہٰذا جب کسی کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ملے، تو یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کی دلیل ہے۔

اسی طرح فرمایا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ - الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ - أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال: ۲-۴)

ترجمہ: حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقی مؤمن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بلند درجات، مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر نیک اعمال گناہوں کی مغفرت اور رزقِ کریم کا سبب ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - : مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ (رواه البخاری و مسلم ص:۱۲۵ ج:۱، مشکوۃ المصابیح ص:۳۸ ج:۱)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے، اس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی !!

ایک اور حدیث میں آیا ہے : **مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (بخاری ص:۱۰ ج:۱، مسلم ص:۲۵۹ ج:۱)**

ترجمہ: جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کی نیت سے رکھے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

اسی طرح تراویح، حج، عمرہ، علم حاصل کرنا اور دیگر نیک اعمال کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ بندوں کو بخش دیتا ہے۔

البتہ نیک اعمال سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو کبیرہ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، اور یہ اللہ کی رحمت سے بعید نہیں۔

البتہ جمہور علماء کا قول ہے کہ ان اعمال سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، جبکہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ اور استغفار ضروری ہے۔

صغیرہ گناہوں کی بخشش بھی کم فائدہ نہیں، کیونکہ انسان سے چھوٹے گناہ اکثر سرزد ہوتے ہیں، ان کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ نیک اعمال بھی کفارہ بن جائیں۔

کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ اور استغفار لازم ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ اگر صغیرہ گناہ کم ہوں تو نیکیوں کے ذریعے کبیرہ گناہوں میں بھی تخفیف ہو سکتی ہے، اور نیکیاں درجات میں بلندی کا سبب بنتی ہیں۔

(ماخذ: فضائل توبہ واستغفار، صفحہ: ۴۳)

(۴) کبیرہ گناہوں سے اجتناب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (النساء: ۳۱)

ترجمہ: اگر تم اُن بڑے (گناہوں) سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا گیا ہے، تو ہم

تمہاری چھوٹی برائیاں معاف کردیں گے اور تمہیں عزت والے مقام میں داخل کریں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص انعام کا ذکر ہے: اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو، تو اللہ تمہارے صغیرہ گناہ معاف فرمادیتا ہے، اور یوں تمہیں پاک صاف کر کے عزت وراحت کی جگہ جنت میں داخل کرتا ہے۔

کبیرہ گناہوں سے اجتناب میں وہ فرائض وواجبات بھی شامل ہیں جنہیں چھوڑ دینا خود ایک کبیرہ گناہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يَقُولُ « الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ (رواہ مسلم ص:۱۲۲ ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: پانچ وقت کی نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک، ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے بچنا، مغفرت کا ایک قوی سبب ہے۔

(۵) اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور: ۲۲)

ترجمہ: اور تم میں سے جو اہلِ فضل اور وسعت والے ہیں، وہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ کے مہاجرین کو کچھ نہ دیں، بلکہ معاف کریں اور در گزر کریں؛ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ تو بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسطحؓ — جوان کے خالہ زاد، مسکین، مہاجر اور بدری صحابی تھے — کی بد گوئی پر ناراض ہو کر قسم کھائی کہ آئندہ انہیں کوئی مدد نہ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی، تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنی قسم توڑ دی اور دوبارہ ان سے حسن سلوک کیا۔

(مراجع: المحرر الوجیز، ایسر التفاسیر، تفسیر البیضاوي، الجلالین)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معافی اور حسنِ سلوک، مغفرت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے :

عَنْ اَبِي هُرَيرَةَ أَنَّ رَسُول الله - صلى الله عليه وسلم -، قَالَ : بَينَما رَجُلٌ يَمشى بِطَريقٍ اشْتَدَّ عَلَيهِ العَطَشُ ، فَوَجَدَ بِئراً فَنَزَلَ فِيهَا فَشرِبَ ، ثُمَّ خَرَجَ فإذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يأكُلُ الثَّرَى مِنَ العَطَشِ ، فَقَالَ الرَّجُلُ : لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الكَلْبُ مِنَ العَطَشِ مِثلُ الَّذِى كَانَ قَدْ بَلَغَ مِنّي فَنَزَلَ البِئْرَ فَمَلأَ خُفَّهُ مَاءً ثُمَّ أمْسَكَهُ بفيهِ حَتَّى رَقِيَ، فَسَقَى الكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ. قالوا : يَا رَسُول اللهِ، إنَّ لَنَا فى البَهَائِمِ أَجْراً ؟ فقَالَ :فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أجْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيهِ، رياض الصالحين ص:١٠٨ ج:١)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک شخص راستے میں پیاسا ہو گیا، ایک کنواں ملا، نیچے اُترا، پانی پیا، پھر دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے مٹی چاٹ رہا ہے، اس نے اپنی جوتی میں پانی بھر کر کتے کو پلایا، اللہ نے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی۔

صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جانوروں پر رحم کرنے میں بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر تر جگر پر رحم کرنے میں اجر ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَاتَ رَجُلٌ، فَقِيلَ لَهُ؟ قَالَ: كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ، فَأَتَجَوَّزُ عَنِ الْمُوسِرِ، وَأُخَفِّفُ عَنِ الْمُعْسِرِ، فَغُفِرَ لَهُ(رواه البخاري ص : ٣٢٢ ج : ١ و مسلم ص :)

ترجمہ : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا :
"ایک آدمی فوت ہو گیا، تو اس سے (قبر یا قیامت کے موقع پر) پوچھا گیا: تُو دنیا میں کیا کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا: میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت (تجارت) کرتا تھا، تو میں مالداروں سے نرمی کرتا، اور تنگدستوں کے لیے آسانی پیدا کرتا (یعنی ان کے قرض معاف کرتا یا وقت دیتا)، تو اللہ نے اسے بخش دیا۔

یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ رحم و کرم اور اُن کے دُکھ درد میں کام آنا مغفرت کا بہت اہم سبب ہے، جبکہ اُن کو ایذا دینا مغفرت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

(٦) مصیبتیں اور آزمائشیں

مسلمان کو جو مصیبت یا تکلیف پہنچتی ہے، وہ بھی گناہوں کے کفارے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلی الله علیه وسلم- قَالَ : مَا مِنْ مُصِيبَةٍ يُصَابُ بِهَا الْمُسْلِمُ إِلاَّ كُفِّرَ بِهَا عَنْهُ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا (رواه البخاری ص: ۸۴۳ ج: ۲، و مسلم ص: ۳۱۸ واللفظ له).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اگر اسے ایک کانٹا بھی چبھے تو اس سے بھی گناہ جھڑتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: **مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ.** (رواہ البخاری ص: ۸۴۳ ج: ۲)

ترجمہ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے مصیبت میں مبتلاء کرتا ہے۔

یعنی آزمائشوں سے اُسے پاک کرکے، گناہوں سے صاف کرکے، اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کرتا ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نفسِهِ وولَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى الله تَعَالَى وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ .(رواه الترمذي ص: ٦٥ ج: ٢و قال: هذا حديث حسن صحيح)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد و عورت پر آزمائشیں اس کے نفس، اولاد اور مال کے حوالے سے آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اُس پر کوئی گناہ باقی نہ رہے۔

(۷)دعائیں کرنا :

دعائیں بھی گناہوں کی مغفرت کے بڑے اسباب میں سے ہیں،

خصوصاً اُن خاص اوقات میں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں؛ جیسے: آدھی رات میں، جمعے کے دن آخری لمحے میں، اذان اور اقامت کے درمیان اور چند دیگر مواقع میں۔

اسی طرح ایک مؤمن کی دوسرے مؤمن کے حق میں کی گئی دُعاء بھی تیزی سے قبول ہوتی ہے، اور مغفرت کا ذریعہ بنتی ہے۔

(۸)موت کے وقت اور اس کے بعد کی تکالیف

قبر کی گھبراہٹ اور اس کی تنگی، اسی طرح سکرات الموت کی سختی، قیامت کے دن کی سختیاں، گرمی، پریشانی اور دیگر مصیبتیں—ان سب کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو معاف فرماتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا دی جارہی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کے گزرنے کے بدلے میں اسے معاف کردیتا ہے، اور اتنی سزاء اس کے لیے کافی ہوجاتی ہے۔

(۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

یہ بھی مغفرت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : شَفَاعَتِى لأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِى ». (رواہ الترمذی ص:۷۰ ج:۲ وابوداود ص: ۶۵۲ ج: ۲، ورواہ ابن ماجة عن جابر ص: ۳۱۹\ مشکوۃ المصابیح ص: ۴۹۴ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جو بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا (رواہ الترمذی ص:۷۰ ج:۲ وابن ماجہ ص: ۳۱۹\ مشکوۃ المصابیح ص: ۴۹۴ ج: ۲، کنز العمال: ص: ۴۰۵ ج: ۱۱)"

ترجمہ: حضرت عوف بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور مجھے اختیار دیا کہ یا تو میں اپنی آدھی امت کو جنت میں داخل کراؤں یا شفاعت کو اختیار کروں؟ تو میں نے شفاعت کو پسند کیا، اور یہ شفاعت ان لوگوں

کے لیے ہے جو اس حالت میں مریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے شفاعت اس لیے پسند فرمائی کیونکہ شفاعت بہ نسبت آدھی امت کے مخصوص ہونے کے زیادہ عام ہے ۔

اسی طرح نیک بندوں، شہداء، علماء اور بچوں کی شفاعت بھی مغفرت کا ایک سبب ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی رحمت :

بندے کے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ اور بڑے کیوں نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سب سے بڑی اور وسیع ہے۔
یہ مغفرت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ .(الزمر :۵۳)**

ترجمہ : کہہ دیجیے ! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے ! تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہی بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

اس مبارک آیت میں تمام گناہ گاروں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، بلکہ توبہ کے ذریعے اپنے گناہوں کی مغفرت کی کوشش کریں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت گناہوں کی مغفرت کے لیے سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہے۔

مغفرت کے ان اسباب کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنا ضروری ہے، اس سے پہلے کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

(تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

عبادت کے اہم شرائط

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت کی قبولیت کے لیے آٹھ اہم شرائط ہیں۔ جب تک یہ شرائط کسی عبادت میں موجود نہ ہوں، تو وہ عبادت فائدہ مند نہیں ہوتی، اگرچہ انسان اس میں مشقت اٹھائے۔
ہر وہ شخص جو عبادت اس لیے کرتا ہے کہ اللہ پاک اسے ثواب دے، اُسے چاہیے کہ ان شرائط کا خاص خیال رکھے۔

شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کی توحید پر کامل عقیدہ رکھنا:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے عظیم الشان کلام میں فرماتے ہیں:
﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا، خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾(سورۂ کہف، آیت۱۰۷-۱۰۸)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ایمان لایا اور نیک اعمال کیے، ان کے لیے جنت الفردوس مہمانی کے طور پر تیار کی گئی ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

اس آیت میں ایمان والوں کے لیے خوشخبری ہے، اور اس طرف اشارہ ہے کہ جنت میں کسی نعمت کی کوئی کمی نہیں ہوگی، اسی لیے جنتی لوگ وہاں سے جانا پسند نہیں کریں گے۔

فردوس، جنتوں میں سب سے اعلیٰ وافضل جنت ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کو دو شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے:

۱: اللہ تعالیٰ پر ایمان؛

دوسری، نیک عمل، یعنی پیغمبر - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کے طریقے کے مطابق اعمال کرنا۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْ لِي فِي الإِسْلاَمِ قَوْلاً لاَ أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ - وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ - قَالَ « قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ فَاسْتَقِمْ ».(رواہ مسلم، مشکات ص:۱۶ ج:۱).

ترجمہ : حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعد کسی سے اس بارے میں سوال نہ کروں۔"

تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا:

"کہہ دو: میں نے اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم رہو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لاؤ جیسا لانا واجب ہے، اور پھر اس ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو، اس سے نہ ڈگمگاؤ۔

کیونکہ ایمان سب سے پہلی اور سب سے ضروری چیز ہے، اگر ایمان نہ ہو تو دیگر عبادات بھی نفع نہیں دیتیں۔

(۲) اخلاص:

عبادت صرف اللہ کی رضاء کے لیے کرنا، ریاکاری اور دکھاوا سے بچنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ، أَلاَ لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾(سورۂ زمر: ۲-۳)

ترجمہ: اللہ کی عبادت خالص اسی کے لیے کرو، جان لو کہ خالص عبادت کا حق دار صرف اللہ ہی ہے۔

بہت سے مفسرین نے "الدین" سے مراد یہاں "عبادت واطاعت" لی ہے، یعنی تمام دینی احکام وعبادات اس میں شامل ہیں۔

"اخلاص" سے مراد "توحید" ہے، مطلب یہ کہ ہر عبادت خالصتاً اللہ ہی کے لیے کی جائے۔

آیت کے پہلے حصے میں رسول اللہ - ﷺ - کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عبادت خالص اللہ کے لیے کریں، جس میں شرک یا ریاکاری کا شائبہ بھی نہ ہو۔

دوسرے حصے میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ عبادت کا دار ومدار نیت پر ہوتا ہے۔

قبولیت کا دار ومدار عبادت میں اخلاص کی مقدار پر ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر یہ ذکر آیا ہے کہ اللہ بندوں کے اعمال کو "وزن" سے تولے گا، "شمار" سے نہیں۔

یعنی کثرتِ اعمال نہیں، بلکہ اخلاصِ نیت مقبولیت کی بنیاد ہے۔

جتنا زیادہ اخلاص ہوگا، اتنا ہی عمل وزنی ہوگا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کامیابی کا راز بھی انہی کے اعمال میں موجود اخلاص میں پوشیدہ تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اخلاص، اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے، جسے نہ فرشتہ جانتا ہے کہ وہ لکھے، اور نہ شیطان جانتا ہے کہ وہ اسے خراب کرے۔"(مدارج السالکین، جلد۲، صفحہ ۷۰)

خلاصہ یہ کہ اخلاص کے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی۔

(۳) رسول اللہ - ﷺ - کے طریقے کے مطابق عبادت کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(سورۂ احزاب، آیت: ۲۱)

ترجمہ: یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ - ﷺ - کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے، ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هَذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ اللهِ ﷺ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَحْوَالِهِ (تفسير ابن كثير ص: ۴۷۴ ج: ۳)

ترجمہ: یہ آیت رسول اللہ - ﷺ - کی اقوال، افعال اور حالات میں اقتداء کرنے کی ایک بڑی دلیل ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو ہر مسلمان کے لیے نمونہ بنایا ہے، اور ہمیں چاہیے کہ ہم نبی - ﷺ - کے نقشِ قدم پر چلیں، سوائے ان کاموں کے جو آپ کے ساتھ خاص ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (بخاری ص: ۳۷۱ ج:۱،مسلم ص: ۷۷ ج:۲،ابوداود ص:۶۳۵ ج:۲،ابن ماجه ص: ۳ ج:۱،مشکاۃ المصابیح ص:۲۷ ج:۱)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ - ﷺ -نے فرمایا : جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا نیا کام نکالا جو اس میں نہیں تھا، وہ مردود ہے۔"

یہ تو اُس صورت میں ہے جب کوئی شخص خود سے ایک نیا عبادت ایجاد کرے اور اُس خود ساختہ عمل پر خود ہی عمل کرے۔

لیکن اگر وہ کسی اور کے ایجاد کردہ بدعت پر عمل کرے، تو اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے : مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (رواہ مسلم ص: ۷۷ ج: ۲)

ترجمہ: ”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم (یا طریقہ) موجود نہ ہو، تو وہ عمل مردود ہے!!

یعنی وہ شخص جو کوئی ایسا کام کرے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور رہنمائی موجود نہ ہو، یا تو وہ عمل سراسر دین میں ثابت ہی نہ ہو، یعنی کسی نے اُسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو، یا وہ عمل اصل میں دین میں موجود ہو، مگر اس نے اُسے ایسی شکل میں انجام دیا

ہو جو شریعت میں ثابت نہ ہو، یعنی اُس نے اپنی طرف سے کوئی قید یا طریقہ اس میں شامل کر دیا ہو۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی ایسا عبادت ہو جو ہر وقت کرنا درست ہو، مگر کوئی شخص اُس عبادت کو کسی خاص دن یا خاص وقت کے ساتھ اس طرح مخصوص کر دے کہ اُسی وقت میں اُسے ضروری سمجھے، اور دوسرے اوقات میں اُسے نہ کرے، یا یہ عقیدہ رکھے کہ اُسی وقت میں کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے — جبکہ شریعت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو — تو یہ عمل "بدعت" کہلائے گا، اور ایسا عمل و عبادت مردود ہے، یعنی وہ اللہ جل جلالہ کے دربار میں قبولیت کے لائق نہیں۔

ہمارے مذہب کے مشہور و معروف عالم حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَالْمُتَابَعَةُ كَمَا تَكُونُ فِي الْفِعْلِ تَكُونُ فِي التَّرْكِ أَيْضًا، فَمَنْ وَاظَبَ عَلَى فِعْلٍ لَمْ يَفْعَلْهُ الشَّارِعُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ (مرقاه المفاتيح ص:۴۱ ج۱).

یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے، اُسی طرح کسی کام کو چھوڑنے میں بھی اُن کی پیروی کی جاتی ہے۔ یعنی وہ عمل جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا ہو، اگرچہ اُس کے ترک پر کوئی) ممانعت وارد نہ ہو، تب بھی ایک سچا پیروکار اُسے صرف اس لیے ترک کرے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے نہیں کیا)۔

پس، جو شخص ایسا عمل مستقل طور پر کرتا رہے جو نبی ﷺ نے نہ کیا ہو، وہ بدعتی شمار ہوگا !!

اگرچہ نیت درست ہو، تب بھی اگر عمل سنت کے مطابق نہ ہو، وہ مقبول نہیں۔

مثلاً ایک صحابی نے عید کی قربانی نمازِ عید سے پہلے ذبح کی، حالانکہ سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد قربانی کی جائے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ (بخاری ص: ۱۳۱ ج: ۱، مسلم ص: ۱۵۴ ج: ۲)
ترجمہ: تیرا جانور محض گوشت کا جانور ہے (عید کی قربانی نہیں)۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں ابو محمد بن ابی جمرہ کا قول نقل کرتے ہیں: وفيه أَن العَمَلَ وان وَافَقَ نِيَّةً حَسَنَةً لَمْ يَصِحْ إِلَّا إِذَا وَقَعَ عَلى وَفْقِ الشَّرْعِ (فتح الباری ص: ۲۰ ج: ۱۰)
یعنی اگر کوئی عمل اچھے ارادے کے ساتھ بھی ہو، جب تک وہ شریعت کے مطابق نہ ہو، وہ صحیح نہیں ہوتا۔

لہٰذا عبادت میں یہ لازمی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔

لہٰذا عبادت میں نبی - ﷺ - کے طریقے کی مکمل پیروی ضروری ہے۔

(نوٹ: سنت اور بدعت کی تفصیل کے مطالعہ کے لیے امام شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام یا محقق العصر، ترجمان دیوبند حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی کتاب راہِ سنت کا مطالعہ فرمائیں۔)

(۴) چوتھا شرط: احتساب

یعنی عبادت ثواب کی نیت سے کی جائے۔

اگر کوئی شخص محض عادتاً کوئی عمل کرتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہ عمل ثواب رکھتا ہے، تو ایسا عمل ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔

مثلاً: اگر کوئی مریض کی عیادت کے لیے اس نیت سے جائے کہ کل کو وہ شکایت نہ کرے، یا محض سیر و تفریح مقصود ہو، اور اس کے دل میں یہ بھی نہ ہو کہ مریض کی عیادت ثواب کا کام ہے، تو یہ عمل اجر و ثواب کا باعث نہیں بنے گا۔

یہ شرط بھی بہت سی احادیثِ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے۔

(۵) ایمان کو شرک یا کفر سے محفوظ رکھنا

عبادت کرنے والا اپنے ایمان کو ایسی چیز سے خراب نہ کرے جو ایمان کے منافی ہو، یعنی شرک یا کفر سے بچنا لازم ہے۔

کیونکہ شرک اور کفر کے ساتھ انسان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص کی کوئی عبادت نفع نہیں دیتی۔

قرآن کریم میں پچیس انبیاء علیہم السلام کے نام صراحتاً مذکور ہیں، باقی کا ذکر الأنبیاء، الرسل اور النبیین کے عمومی عنوانات سے کیا گیا ہے۔

ان پچیس میں سے اٹھارہ انبیاء کا ذکر سورۃ الانعام کی ایک رکوع میں آیا ہے، اور ان کے اسماء گرامی کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** [الأنعام:۸۸]

ترجمہ: اگر یہ (انبیاء) شرک کرتے، تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرک اتنا خطرناک ہے کہ اگر (بالفرض) انبیاء بھی شرک کرتے، تو ان کے اعمال بھی برباد ہو جاتے، حالانکہ وہ اعمال بے حد اعلیٰ اور مقبول ہوتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے: **وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ**" (الزمر: ۶۵)

ترجمہ: یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے شرک کا صدور محال ہے، لیکن یہ امت کو سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

شرک ایسا جرم ہے کہ اس سے بڑا اللہ کا کوئی باغی اور نافرمان نہیں، اس لیے مشرک ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہے گا۔
لہٰذا، عبادت کی قبولیت کے لیے لازم ہے کہ انسان شرک اور کفر سے مکمل طور پر محفوظ ہو۔

(٦) خوف

(٧) رجاء(اُمید)

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کیفیت میں کرے کہ اُس کے دل میں ایک طرف اللہ کی رحمت کی امید (رجاء) ہو، اور دوسری طرف اُس کے عذاب کا خوف (خوف) بھی۔ یہی عبادت کی کامل حالت ہے، اور یہی انبیاء و صلحاء کا طریقہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا (سورۃ الاعراف: ٥٦)**
(ترجمہ: "اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو۔

عبادت کے وقت یہ خوف ہونا چاہیے کہ نہ معلوم یہ عبادت قبول ہو گی یا نہیں؟ یہی خوف انسان کو غرور، غفلت اور بے پروائی سے محفوظ رکھتا ہے، اور بندے کو عاجزی، انکاری اور عبادت میں اخلاص کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ امید بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اور اس کی رحمت سے یہ توقع ہے کہ وہ بندے کے اس ناقص اور کمزور عمل کو بھی قبول فرمالے گا۔

نبی کریم ﷺ یہ دعاء کرتے تھے: أَسْأَلُ اللهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِهِ مِنَ النَّارِ (رواه ابوداؤد ص : ۱۱۶ ج : ۱)

ترجمہ: میں اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

پس ایک مؤمن کی عبادت خوف اور امید کے درمیانی کیفیت میں ہونی چاہیے، تاکہ وہ نہ مایوسی کا شکار ہو، نہ غرور و غفلت کا، بلکہ اللہ کے حضور جھک کر عاجزی کے ساتھ عبادت کرے اور اُس کی رحمت و مغفرت کا امیدوار رہے۔

(۸) بندوں کے حقوق کی پامالی سے بچنا

اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی عبادت قبول بھی ہو، سلامت بھی رہے، اور قیامت کے دن اس کے کام آئے، تو اسے چاہیے کہ بندوں کے حقوق ادا کرے۔

کسی کی غیبت نہ کرے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائے، کسی کو تکلیف نہ دے، اور کسی کا حق نہ کھائے۔

اگر اس نے بندوں پر ظلم کیا ہو، تو ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادتیں دنیا میں قبول بھی ہو جائیں، لیکن قیامت کے دن وہی عبادتیں مظلوموں کو دے دی جائیں، اور اس کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں، انجام جہنم ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ ». قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لاَ دِرْهَمَ لَهُ وَلاَ مَتَاعَ. فَقَالَ « إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلاَةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ. (رواه مسلم ص:۳۲۰ ج:۲)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ-رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ- ﷺ -نے ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:
"کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟"

صحابہ کرام نے عرض کیا: "ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے "پاس نہ مال ہو اور نہ کوئی سامان۔

رسول اللہ- ﷺ -نے فرمایا : میرے امت کا (حقیقی) مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکات لے کر آئے گا، مگر اس حال

میں کہ اُس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا مال ناحق کھایا ہو، کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا پیٹا ہو۔

تو ان مظلوموں کو اُس کے نیک اعمال دیے جائیں گے، ہر ایک کو اُس پر کیے گئے ظلم کے بقدر۔ اگر اُس کے نیک اعمال ختم ہو گئے اور ابھی بھی مظلوموں کے حقوق باقی رہے، تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اُس پر ڈال دیے جائیں گے، اور پھر اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا!"

یہ کتنے افسوس کی بات ہو گی کہ انسان اپنے ساتھ دنیا سے مقبول عبادتیں لے کر جائے، مگر ان سے بھی محروم کر دیا جائے۔
لہٰذا، عبادت کی قبولیت کے لیے یہ تمام شرائط ضروری ہیں۔
اگر یہ شرائط پوری کی جائیں، تو ان شاءاللہ عبادتیں مقبول ہوں گی۔
اللہ جل جلالہ ہماری عبادتوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

دنیوی زندگی کی حقیقت — ایک عبرتناک مثال

دنیاوی زندگی ایسی چیز نہیں جس پر انسان کو بھروسا کرنا چاہیے، کیونکہ یہ زندگی پائیدار اور قابلِ اعتماد نہیں۔
یہ محض ایک عارضی سایہ ہے، جو تھوڑی دیر ٹھہر کر غائب ہو جاتا ہے۔

ایک عقلمند شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں ایسے زندگی گزارے کہ آخرت کو کبھی فراموش نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت کو اپنے پاک کلام میں نہایت بلیغ اور بامعنی مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے : إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (یونس: ۲۴)۔

ترجمہ: دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، جس سے زمین کی نباتات اگ آئیں جن سے انسان اور جانور فائدہ اٹھاتے ہیں۔یہاں تک کہ زمین نے اپنا سنگار اختیار کر لیا اور خوبصورت ہو گئی، اور وہاں کے رہنے والوں نے گمان کر لیا کہ وہ اس پر مکمل قابو رکھتے ہیں—تب اچانک دن یا رات میں ہمارا حکم آ پہنچا، اور ہم نے اسے ایسا کر دیا گویا وہاں کل کچھ تھا ہی نہیں۔اسی طرح ہم اپنی آیات ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

یہ مثال نہ صرف دنیا کی بے ثباتی کو ظاہر کرتی ہے، بلکہ انسان کی نادانی کو بھی بے نقاب کرتی ہے، جو اس عارضی رونق پر مغرور ہو جاتا ہے۔

دنیا کے لذتیں، خوشیاں اور آسائشیں ایسی ہی فریب دینے والی ہیں، جیسے ایک باغ جو سرسبز ہو چکا ہو اور مالک مطمئن ہو کہ اب اسے بھرپور فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اچانک کوئی آفت نازل ہو اور ساری محنت، سارے خواب خاک میں مل جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس لیے بیان کی ہے تاکہ بندگانِ خدا کو تنبیہ ہو جائے کہ دنیا کی تمام نعمتیں—چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ—فانی اور ناپائیدار ہیں، جیسے زمین کی سبزیاں اور پھول آخرکار مرجھا جاتے ہیں۔

پس جو لوگ عقل و شعور رکھتے ہیں، وہ ان مثالوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔
لیکن جو لوگ غفلت میں ڈوبے ہوں، وہ اتنی واضح نشانیوں اور نصیحتوں سے بھی اثر نہیں لیتے۔

دنیا کی زندگی محض ایک دھوکہ ہے۔
کبھی ایک نوجوان خواب بنتا ہے، اہلِ خانہ اس سے امیدیں لگاتے ہیں، مگر اچانک موت آتی ہے اور سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
کبھی ایک طالب علم تعلیم مکمل کرتا ہے، ارادہ کرتا ہے کہ اب زندگی سنور جائے گی، مگر اجل اسے آلیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے ثباتی اور نعمتوں کی عارضیت بیان کی، تو اس کے بعد ایک دائمی اور اطمینان بخش زندگی کی طرف بلایا اور فرمایا:

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (یونس: ۲۵)

ترجمہ: اور اللہ سب کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں جنت کو "دارالسلام" فرمایا، کیونکہ وہاں نہ کوئی رنج، نہ غم، نہ بیماری، نہ موت، نہ فقر— بلکہ مکمل سکون اور ابدی نعمتیں۔

علماء نے ایک نہایت بصیرت افروز مثال دی ہے :
فرض کریں ایک بادشاہ کا ایک عظیم الشان باغ ہو، جس میں ہر طرف رنگ برنگے پھول اور لذیذ پھل موجود ہوں۔
بادشاہ ایک شخص کو ایک ٹوکری دے کر کہے : جاؤ اور اس باغ سے بہترین پھل و پھول اس میں جمع کرو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جس حصے سے گزر جاؤ، واپس پلٹ کر وہاں نہیں جا سکتے۔

وہ شخص باغ میں داخل ہوتا ہے، خوبصورتی اور نعمتوں کو دیکھ کر سوچتا ہے:
"ابھی تو باغ کا بڑا حصہ باقی ہے، آگے چل کر مزید خوبصورت چیزیں ہوں گی"۔
اسی امید میں وہ ہر حصے سے خالی ہاتھ گزرتا ہے۔

آخرکار وہ باغ کے آخری حصے تک پہنچ جاتا ہے — لیکن وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔
اب وہ پچھتاتا ہے، روتا ہے، مگر کچھ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ واپسی کی اجازت نہیں۔ ایسا ہی حال انسان کا ہے۔
زندگی کا ہر دن ایک موقع ہے کہ انسان نیک عمل کر کے اپنی ابدی زندگی سنوارے۔
لیکن انسان ہر روز کہتا ہے: "کل سے نیک عمل شروع کروں گا"، اور اسی "کل" میں زندگی گزر جاتی ہے، یہاں تک کہ اچانک موت آجاتی ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اس زندگی کو غنیمت سمجھے اور آخرت کی تیاری کرے، اس سے پہلے کہ مہلت ختم ہو جائے۔

آخرت کی زندگی کی طوالت کے بارے میں مثال

فرض کریں کہ آسمان اور زمین کے درمیان کا پورا خلا چنے یا مونگ کے دانوں سے بھرا ہو، اور ہر ہزار سال بعد ایک پرندہ آکر ایک دانہ لے جائے — تو آخرکار ایک دن آئے گا کہ سارے دانے ختم ہو جائیں گے، مگر آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔

پس ہمیں چاہیے کہ اس فانی دنیا میں ایسے اعمال کریں جو ہمارے لیے ابدی کامیابی اور دار السلام کا راستہ بن جائیں۔
اس مختصر زندگی میں مگن ہو کر ہمیشہ کی زندگی کو فراموش نہ کریں۔

انسان کی زندگی میں وقت کی اہمیت

وقت انسان کی عمر ہے، اور زندگی میں اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے وقت کے ہر لمحے سے فائدہ اٹھائے، اسے علم کے حصول یا کسی ایسے نفع بخش کام میں صرف کرے جو اس کے لیے مفید ہو، تو وہ بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور سستی و کاہلی جیسے مہلک مرض سے بچ سکتا ہے۔

دنیا میں انسان وقت کے دائرے میں زندگی گزارتا ہے، بلکہ حقیقت میں انسان خود وقت کی ترجمانی ہے۔ کیونکہ جو تم آج ہو، دس یا بیس سال پہلے ایسے نہ تھے—نہ شکل و صورت میں، نہ علم و فہم میں، اور نہ ہی جسمانی طاقت میں۔ اسی طرح دس یا بیس سال بعد بھی تم ویسے نہیں رہو گے جیسے آج ہو۔

پس وقت کے گزرنے کے ساتھ انسان کے گرد و پیش کی ہر چیز میں تبدیلی آتی ہے۔ ہر گزرتا دن انسان کی عمر میں کمی کرتا ہے اور اسے موت کے قریب تر لے جاتا ہے۔ اس لیے عقلمند انسان وہ ہے جو وقت کو غنیمت سمجھے اور اس نعمت کو اُن کاموں میں لگائے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضاء

حاصل ہو، تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور سعادت حاصل ہو۔

اللہ - ﷻ - نے انسان پر بے شمار احسانات کیے ہیں اور اسے بے شمار نعمتیں عطاء فرمائی ہیں۔ یہ تمام نعمتیں عظیم الشان ہیں اور ان سب کی قدر کرنا لازم ہے، لیکن بعض نعمتیں ایسی ہیں جن کی اہمیت بہت زیادہ ہے، مگر لوگ یا تو ان کی قدر نہیں پہچانتے یا اگر پہچانتے ہیں تو اس کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے۔ان عظیم نعمتوں میں سے ایک "وقت" ہے۔

وقت کے ذریعے دن، ہفتے، مہینے اور سال کا تعین ہوتا ہے، اور انسان کی عمر کی گنتی بھی اسی سے ممکن ہوتی ہے۔ اسی طرح عبادات کے اوقات کی شناخت بھی وقت ہی سے ہوتی ہے، جن کے لیے شریعت نے وقت مقرر فرمایا ہے۔ خاص طور پر نماز، جسے اللہ تعالیٰ نے مخصوص اوقات میں اداء کرنا فرض قرار دیا ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء: ۱۰۳)

ترجمہ: یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

دنیا میں وقت انسان کے لیے ایک مہلت ہے کہ وہ اس دوران اپنے رب کو راضی کرے اور اپنے ابدی انجام کو بہتر بنائے۔ وقت کے ذریعے دنیا میں پیش آنے والے واقعات کی تاریخ معلوم ہوتی ہے، جن سے انسان عبرت اور فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

وقت کی قدر و قیمت کو سمجھنا اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانا فرد اور معاشرے دونوں کے لیے بے پناہ فائدے کا سبب بن سکتا ہے۔ وقت ایک ایسی نعمت ہے جس کی قدر کے بارے میں مسلمان اور غیر مسلم سب متفق ہیں۔ کیونکہ انسان کا وقت ہی اس کی اصل عمر ہے، اور یہی اس کی ابدی کامیابی و راحت کا سرمایہ ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ وقت کی پروا نہیں کرتے اور اس کی قدر کو نہیں پہچانتے، لہٰذا وہ اسے فضول اور بے مقصد کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ وقت ان پر تیزی سے گزر رہا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وقت کا گزرنا دراصل موت کے قریب ہونا اور دنیا سے رخصت ہونا ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے:

يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي...وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابًا

یعنی: انسان راتوں کے گزرنے پر خوش ہوتا ہے، حالانکہ ان راتوں کا گزرنا خود اس کا گزر جانا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس عظیم نعمت کی قدر کریں اور اس کے استعمال میں مکمل احتیاط برتیں، تاکہ یہ نعمت ہمارے لیے مفید اور مؤثر ثابت ہو۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہم اپنے جسم کو کوئی راحت نہ دیں یا دماغ کی تقویت کے لیے کسی تفریح کا سہارا نہ لیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تفریح اور آرام

ضرورت سے زیادہ نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ ہمارا قیمتی وقت فضول اور بے فائدہ گزر جائے۔

قرآن کریم کی روشنی میں وقت کی اہمیت

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر "وقت" کی قسمیں کھائی ہیں، جو اس کی عظمت اور قدر و منزلت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں مقام "سورۃ العصر" ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: ۱تا۳)

یعنی قسم ہے زمانے کی، بے شک انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک عمل کیے، حق کی وصیت کی، اور صبر کی تلقین کی۔

اس بابرکت سورہ میں اللہ پاک نے انسان کی ایک بیماری، اس بیماری کا سبب، اور اس کے چار علاج ذکر فرمائے ہیں:

بیماری: انسان خسارے اور نقصان میں ہے۔

سبب: اس نے اپنی عمر اور قیمتی وقت کو ضائع کیا۔

علاج کے چار طریقے یہ ہیں:

۱. اللہ پر ایمان لانا۔

۲. نیک اعمال کرنا: یعنی ایسے اعمال جو نبی کریم - ﷺ - کے طریقہ کے مطابق ہوں۔

۳. حق بات کی تلقین کرنا۔
۴. حق کی راہ میں آنے والی تکالیف پر صبر کی وصیت کرنا۔
جو شخص ان چار صفات سے متصف ہو جائے، وہ اس عظیم خسارے سے نجات پالیتا ہے۔ یہ سورہ مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع ہے۔
علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کے صحابہ کرام میں سے جب دو افراد ایک دوسرے سے ملتے، تو جب تک یہ سورہ العصر نہ پڑھ لیتے، جدا نہ ہوتے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج: ٦، ص: ۵۳۳)
وہ یہ سورہ اس لیے ایک دوسرے کو یاد دلاتے تھے کہ اس میں پورا وعظ اور نصیحت موجود ہے، تاکہ اگر وہ ان چار علاجوں کو نہ اپنائیں، تو خسارے کی اس بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اگر لوگ اس سورہ میں غور و فکر کریں تو یہ سورہ ان کی کامیابی کے لیے کافی ہے۔" (تفسیر ابن کثیر، ص: ۵۳۳، ج: ٦)
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اس سورہ کے حقیقی مقصد کو سمجھ چکے تھے، اسی لیے یہ بات کہی۔
امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ سورہ العصر کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "عصر" سے مراد زمانہ (وقت) ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ: وقت میں بڑے عجائب ہوتے ہیں: خوشی، غم، صحت، بیماری، دولت، اور فقر سب وقت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

عمر جیسی قیمتی چیز کا کوئی بدل نہیں۔ انسان اگر ہزار سال تک عبث کاموں میں عمر گزارے اور پھر آخر میں سچی توبہ کر لے، تو آخری لمحہ ہی اس کے لیے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ پس زندگی کا ہر لمحہ عظیم نعمت ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر خبردار کیا ہے کہ رات اور دن ایک موقع اور فرصت ہے، جو انسان کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔

زمانہ، مقام (جگہ) سے زیادہ معزز ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وقت کی زیادہ عزت افزائی فرمائی۔

چونکہ لوگ اکثر نقصان کو زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر یہ واضح کیا کہ اصل نقصان اور خرابی انسان کی اپنی کوتاہیوں میں ہے، وقت میں نہیں۔

وقت کے گزرنے سے انسان کی عمر گھٹتی جاتی ہے، اور اگر اس کے ساتھ کوئی فائدہ نہ ہو، تو یہ عمر کا گھٹنا خسارہ ہی خسارہ ہے۔(التفسیر الکبیر، ج: ۱۱، ص: ۲۷۷)

اگرچہ قرآنِ کریم میں وقت کی اہمیت پر بہت سے آیات موجود ہیں، مگر اختصار کی خاطر ہم اسی سورہ العصر پر اکتفا کرتے ہیں۔

احادیث نبوی کی روشنی میں وقت کی قدر

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ
(رواه الترمذی ص: ٦٧ ج: ٢ والحدیث صحیح للشواهد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: قیامت کے دن آدمی کا قدم اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے: (۱) اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری؟ (۲) اس کی جوانی کے بارے میں کہ کہاں کھپائی؟ (۳) اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا؟ (۴) اور کہاں خرچ "کیا؟ (۵) اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ !!

اس حدیث میں عمر سے متعلق دو سوالات کیے جائیں گے

پہلا یہ کہ پوری زندگی کہاں صرف کی؟

اور دوسرا یہ کہ جوانی (جو زندگی کا قیمتی ترین حصہ ہے) کس راہ میں گزاری؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلی اللہ علیہ وسلم-: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ص: ٩٤٩ ج: ٢)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ- ﷺ -نے فرمایا : دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں "اکثر لوگ دھوکے میں ہیں: صحت اور فرصت۔

اس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت وفرصت کوئی معمولی نعمتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم انعامات ہیں، جن کی قدر انسان اکثر نہیں کرتا۔ انسان جب تندرست ہوتا ہے اور اس کے پاس وقت ہوتا ہے، تب اس کے لیے نیکی کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، لیکن اکثر لوگ ان لمحات کو ضائع کر دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم- ﷺ -نے فرمایا: **اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمَكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَحَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ (رواه الترمذى مرسلا، مشكاة المصابيح ص: ۴۴۱ ج: ۲)**

ترجمہ : پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے !!

یہ حدیث مبارک ایک مکمل زندگی کا نظام پیش کرتی ہے۔ اس میں ہمیں متنبہ کیا گیا ہے کہ وقت محدود ہے، ہر حالت مستقل نہیں۔ جوانی ختم ہو جاتی ہے، صحت زوال پذیر ہو سکتی ہے، مال فقر

میں بدل سکتا ہے، فرصت مصروفیت میں بدل جاتی ہے، اور زندگی کا انجام موت ہے۔

لہٰذا ان تمام حالتوں کو اللہ کی رضاء کے کاموں میں استعمال کرنا چاہیے تاکہ بعد میں حسرت نہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ. (رواہ الترمذی ص:۵۸ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ—رضي الله عنہ —سے روایت ہے کہ نبی-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-نے فرمایا: انسان کے اسلام کے حسن میں سے یہ ہے کہ وہ فضول چیزوں کو چھوڑ دے۔

یعنی ایک کامل مسلمان وہی ہے جو اپنا وقت بے کار، لغو اور غیر مفید باتوں میں ضائع نہ کرے۔ نہ گناہوں میں، نہ غفلت میں، نہ سستی میں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، خیر کے کاموں، اور دینی و دنیوی مفید امور میں لگے۔

مثال: یہ دنیا خزانے جمع کرنے کی جگہ ہے۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ تمہیں جتنی دولت اٹھانی ہے، اٹھالو، لیکن جب ہم کہیں گے کہ بس کرو، تو تمہیں روک دیا جائے گا۔ اگر وہ شخص کہے کہ ابھی نہیں، کل اٹھاؤں گا، اور کل اس پر "بس" کہہ دیا جائے، تو کتنا خسارے میں رہے گا؟

ایسے ہی زندگی بھی ہے۔ یہ موت سے پہلے کی مہلت ہے۔ جو وقت ہم اللہ کی رضا، آخرت کی تیاری، اور نیکی کے کاموں میں گزاریں گے، وہی اصل سرمایہ ہوگا۔

خلاصہ : اسلام میں وقت ایک قیمتی امانت ہے۔ نبی کریم - ﷺ - نے بارہا اس کی قدر و قیمت بتائی۔ جوانی، صحت، مال، فرصت اور زندگی یہ سب اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جن سے فائدہ نہ اٹھانا خسارے کا سودا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وقت کو غنیمت جانے، عبادت، علم، خدمتِ خلق، اور اصلاحِ نفس میں صرف کرے، تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے کامیاب و کامران ہو۔

علماء و دانشوروں کی نظر میں وقت کی قدر

ہمارے دین کے پیشواؤں نے وقت کی قدر پہچانی تھی، اسی لیے وہ وقت کا بہت خیال رکھتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود - رضی اللہ عنہ - فرماتے ہیں: مَا نَدِمْتُ عَلٰى شَيْءٍ نَدَمِيْ عَلٰى يَوْمٍ غَرَبَتْ شَمْسُهُ، نَقَصَ فِيْهِ اَجَلِيْ، وَ لَمْ يَزِدْ فِيْهِ عَمَلِيْ "(قيمة الزمن عند العلماء، ص: ٢٧)

ترجمہ: " مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس دن پر ہوا جس کی شام آگئی، میری عمر اس میں کم ہوئی اور میرے اعمال اس میں نہیں بڑھے۔"

خلیفہ عادل عمر بن عبد العزیز -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ يَعْمَلَانِ فِيكَ فَاعْمَلْ فِيهِمَا (قیمۃ الزمن عند العلماء، ص:۲۷)

ترجمہ: "رات اور دن تمہارے اندر اپنا کام کرتے ہیں (یعنی تمہاری عمر کو گھٹاتے ہیں)، لہٰذا تم بھی ان دونوں میں (نیک) عمل کرو۔"

حضرت حسن بصری -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: "يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّمَا أَنْتَ أَيَّامٌ، كُلَّمَا ذَهَبَ يَوْمٌ ذَهَبَ بَعْضُكَ" (قیمۃ الزمن عند العلماء، ص:۴۸)

ترجمہ: "اے ابن آدم! تُو تو صرف چند دنوں کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جاتا ہے تو گویا تیرے وجود کا ایک حصہ ختم ہو جاتا ہے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا: أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانُوا عَلَى أَوْقَاتِهِمْ أَشَدَّ مِنْكُمْ حِرْصًا عَلَى دَرَاهِمِكُمْ وَدَنَانِيرِكُمْ (قیمۃ الزمن عند العلماء، ص:۴۹)

ترجمہ: "میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اپنے وقت کی حفاظت پر تمہارے درہم ودینار سے بھی زیادہ حریص تھے۔"

امام شافعی -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: صَحِبْتُ الصُّوفِيَّةَ فَلَمْ أَسْتَفِدْ مِنْهُمْ سِوَى حَرْفَيْنِ، أَحَدُهُمَا قَوْلُهُمْ: الْوَقْتُ سَيْفٌ، فَإِنْ لَمْ تَقْطَعْهُ قَطَعَكَ»، وَذَكَرَ الْكَلِمَةَ الْأُخْرَى: «وَنَفْسُكَ إِنْ أَشْغَلْتَهَا بِالْحَقِّ، وَإِلَّا اشْتَغَلَتْكَ بِالْبَاطِلِ» (الجواب الکافی ص:۱۰۹)

ترجمہ: "میں نے صوفیوں کی صحبت اختیار کی تو ان سے صرف دو باتیں سیکھیں:

(۱) وقت تلوار کی مانند ہے، اگر تُو نے اسے نہ کاٹا تو وہ تجھے کاٹ دے گا۔

(۲) اگر تُو اپنے نفس کو حق کے کام میں مشغول نہ کرے گا تو وہ تجھے باطل میں مشغول کر دے گا۔"

داناؤں نے کہا ہے کہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے، اس کا ضیاع خیانت اور بربادی ہے۔

دل میں ایسے کاموں کی محبت نہ رکھو جو وقت کے ضیاع کا ذریعہ بنیں۔

دنیا کا سارا سونا چاندی وقت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

گزرا ہوا وقت لوٹ کر نہیں آتا، اور اس پر افسوس کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

جو شخص وقت ضائع کرتا ہے، یقیناً وقت بھی اُسے ضائع کر دیتا ہے۔

وقت بادلوں سے بھی تیز گزر جاتا ہے، پس جو وقت اللہ کی عبادت میں اور اُس کی رضاء کی تلاش میں گزرتا ہے، وہی انسان کی اصل زندگی ہے، اس کے سوا زندگی، زندگی نہیں کہلائی جا سکتی، چاہے وہ کتنا ہی طویل ہو۔

حضرت حماد بن سلمہ -رحمہ اللہ- جو کہ ایک مشہور محدث تھے، ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

"اگر حماد بن سلمہ سے کہا جاتا کہ تم کل مرنے والے ہو، تو وہ اپنی عبادت میں کوئی اضافہ نہ کر سکتے، کیونکہ وہ پہلے ہی اتنے پابند تھے کہ اُن کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔" (قیمۃ الزمن عند العلماء، ص: ۵۴)

آخر کار حضرت حماد بن سلمہ مسجد میں نماز کی حالت میں فوت ہوئے۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۴۴۸)

پس ہمیں بھی ان بزرگان کے حالات سے سبق لینا چاہیے اور وقت کے ضیاع سے بچنا چاہیے، کیونکہ تمام بھلائیاں وقت ہی سے حاصل ہوتی ہیں، اور جب وقت ضائع ہو جائے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اپنے وقت کو قیمتی کیسے بنائیں؟

تاکہ ہمارا وقت بے فائدہ کاموں میں نہ گزرے، ہمیں درج ذیل اقدامات کرنے چاہییں:

۱. ہر کام میں نیت کو درست رکھنا: اس سے مباح کام بھی ثواب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

۲. امیدوں کو کم کرنا: یہ نہ سوچو کہ ابھی جوان ہو، بعد میں نیک کام کر لیں گے۔ آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔

حضرت معاذ بن جبل - رضی اللہ عنہ - کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (- ﷺ -) مجھے وصیت فرمائیے۔

آپ - ﷺ - نے فرمایا: اعْبُدَ اللّٰهَ كَانَّكَ تَرَاهُ وَاعْدُدْ نَفْسَكَ مِنَ الْمَوْتَى، وَاذْكُرَ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ وَشَجَرٍ، وَإِذَا عَمِلْتَ السَّيِّئَةَ فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً: السِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ. (المصنف لابن ابی شیبة ص: ۲۲۵ ج: ۱۳)

ترجمہ: اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو،

اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو، ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو،

اور جب کوئی گناہ کرو تو اس کے ساتھ کوئی نیکی بھی کرو؛ چھپی ہوئی نیکی کو چھپ کر، اور ظاہری نیکی کو ظاہر کر کے کرو۔"

۳. دنیاوی مشغولیات کم کرنا اور عبادت کے لیے وقت نکالنا۔

۴. زیادہ وقت گھر میں گزارنا:

عن عقبة بن عامرٍ -رضي الله عنه- قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللهِ مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ. (رواه الترمذي و قال حديث حسن - رياض الصالحين ص: ۴۴۶)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسولَ اللہ! نجات (کا ذریعہ) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور تمہارا گھر تمہیں کافی ہو جائے (یعنی گھر میں رہو اور فتنوں سے دور رہو) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

۵. مسجد میں وقت گزارنا۔

۶. غیر ضروری نیند اور آرام سے پرہیز کرنا۔

۷. اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا۔ ذکر ہر حالت میں کیا جا سکتا ہے۔

۸. دعاؤں کا اہتمام کرنا۔

۹. تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنانا۔

۱۰. فرض نماز جماعت سے اداء کرنا۔

۱۱. عبادت کے وقت کالحاظ رکھنا۔

۱۲. لوگوں سے تعلقات کو محدود کرنا۔

۱۳. قرآن مجید کی تلاوت اور تفقہ میں وقت گزارنا۔

۱۴. دینی کتابوں کامطالعہ کرنا۔

اگر کوئی ان اعمال پر عمل کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کا وقت ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا۔

وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا

قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں کچھ ایسے لوگوں کا ذکر آیا ہے جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا، انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

یہ کون لوگ ہیں؟انہوں نے کون سے گناہ کیے ہیں؟

آیئے ان گناہوں کا ذکر کریں جن کی وجہ سے کوئی انسان ایسے سخت عذابوں کا مستحق قرار پاتا ہے۔

یہ کئی قسم کے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرة۱۷۴)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی نازل کردہ کتاب (کی باتوں) کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں (حالانکہ پوری دنیا بھی اللہ کے کلام کے بدلے میں کچھ نہیں)، تو یہ لوگ اپنے پیٹ میں صرف آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا، نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ علم اور ہدایت، جو انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی تھی، اسے چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے دنیاوی مفاد حاصل کرتے ہیں۔

یہ دنیاوی مال جو وہ اللہ کے دین کو چھپا کر حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے دراصل فائدہ نہیں بلکہ خسارہ ہے۔

ایسے حق چھپانے والوں کو اللہ تعالیٰ چار قسم کے عذاب دے گا:

۱. وہ مال جو انہوں نے حق چھپا کر حاصل کیا اور کھایا، وہ درحقیقت ان کے پیٹ میں آگ ہے۔

محقق علماء فرماتے ہیں کہ حرام مال حقیقت میں جہنم کی آگ ہے، اگرچہ دنیا میں یہ نظر نہ آئے، مگر موت کے بعد وہ آگ کی صورت میں سامنے آئے گا۔

۲. قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کرے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گا، ان پر غضب ناک ہو گا، ان پر رحمت کی نظر نہیں کرے گا۔ یہ عذاب، جہنم کی آگ سے بھی سخت ہے۔

۳. اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔

جبکہ اللہ بعض گناہگار مسلمانوں کو عذاب دے کر پاک کرتا ہے تاکہ وہ جنت کے لائق بن جائیں، مگر یہ لوگ اس رحمت سے محروم ہوں گے۔

۴. ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

جیسا کہ فرمایا: وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

یعنی ان کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلاً أُوْلَئِكَ لاَ خَلاَقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (آل عمران: ۷۷)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اللہ نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان پر نظرِ رحمت کرے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یعنی جو لوگ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب، اس کی رحمت اور مغفرت سے محروم ہوں گے، اور قیامت کے دن سراپا جرم بن کر آئیں گے۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی ایسے لوگ بیان کیے گئے ہیں:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ » قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ثَلَاثَ مِرَارٍ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ « الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ. (رواه مسلم ص:۷۱، ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابوذر - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے، رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ ان پر نظرِ رحمت ڈالے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

ابوذر - رضی اللہ عنہ - نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟

آپ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا:

۱. وہ شخص جس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو

۲. وہ جو احسان جتاتا ہے

۳. وہ جو جھوٹی قسم سے اپنا مال بیچتا ہے

ان تین گناہوں کی تفصیل:

۱. شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا

یہ ایک چھوٹی سی بے لذت گناہ ہے، مگر انجام سخت ترین ہے، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور تکبر اللہ تعالی کو بہت ناپسند ہے۔

یہ حکم مردوں کے لیے ہے، خواتین کے لیے ٹخنوں سے نیچے لباس جائز ہے۔

۲. احسان جتلانا:

یعنی کسی پر احسان کر کے اسے بار بار یاد دلانا، اس کا ثواب ختم کر دیتا ہے بلکہ گناہ میں بدل جاتا ہے۔

۳. جھوٹی قسم کے ذریعہ مال بیچنا:

جیسے کوئی سستا سامان خرید کر اسے مہنگا ظاہر کر کے قسم کھاتا ہے کہ یہ اتنے میں خریدا ہے، یا جھوٹی قسم سے اس کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ یہ اللہ کے نام کا ناجائز استعمال ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ -قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ- وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ ». (رواه مسلم ص:۷۱، ج:۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ ﷻ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ اُنہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا، (ابو معاویہ راوی کہتے ہیں) اور نہ اُن پر (رحمت کی) نظر کرے گا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے: بوڑھا زناکار، جھوٹھ بادشاہ اور فقیر متکبر!!

ان تینوں اشخاص پر اتنا سخت عذاب کیوں مقرر کیا گیا ہے؟

اس بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سب نے ایسی حالت میں یہ گناہ کیے ہیں جب یہ گناہوں سے دُور رہنے کے زیادہ قابل تھے، نہ ان کے پاس کوئی ایسی مجبوری تھی، نہ اُن گناہوں کے لیے محرک اسباب۔ اگرچہ گناہ کسی کے لیے بھی قابلِ معافی نہیں، لیکن ان کے حالات میں ان گناہوں کا ارتکاب ضد، ہٹ دھرمی، اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی بے ادبی شمار ہوتا ہے۔ یہ سراسر نافرمانی کا قصد ہے، بغیر کسی مجبوری کے۔

کیونکہ بوڑھا شخص، جس نے لمبی عمر گزاری ہو، اُس کا عقل و شعور مکمل ہوتا ہے، اُس کے لیے زنا جیسے گناہ کی کوئی معقول وجہ نہیں بنتی۔
جبکہ اگر کوئی نوجوان زنا کرے تو وہ اکثر عقل کی کمزوری، شہوت کے غلبے اور عمر کی ناپختگی کی بنا پر ہوتا ہے۔

اسی طرح بادشاہ کو اپنی رعیت میں کسی کا خوف لاحق نہیں ہوتا۔ عام لوگ جھوٹ خوف یا کسی مجبوری کی بناء پر بولتے ہیں، مگر بادشاہ کے پاس تو ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی، پھر بھی اگر وہ جھوٹ بولے تو یہ کھلی بغاوت ہے۔

اسی طرح متکبر فقیر کے پاس نہ مال ہے اور نہ عزت کا ظاہری سبب۔ تکبر تو مال و دولت، مرتبہ، یا لوگوں کی محتاجی کی بناء پر آتا ہے۔ جب مسکین کے پاس یہ کچھ نہیں، تو وہ تکبر کس بات پر کرتا ہے؟ اور دوسروں کو حقیر کیوں سمجھتا ہے؟

پس ایسے اعمال — چاہے وہ بوڑھے زناکار کے ہوں، جھوٹے بادشاہ کے ہوں یا متکبر فقیر کے — درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بے حرمتی اور نافرمانی کے ارادے کے

سوا کچھ نہیں۔ (ماخوذاز: شرح النووی علی مسلم، ص:۷۱، ج:۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضی اللہ عنہ - عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللَّهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ (رواہ البخاری ص: ۲۹۷ ج: ۱، و احمد ص: ۳۱۸ ج: ۱۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کا میں قیامت کے دن خود دشمن ہوں گا:

(۱) وہ شخص جس کو کسی چیز کے عوض میرے نام پر کچھ دیا گیا، پھر اس نے اس میں خیانت کی۔

(۲) وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔

(۳) اور وہ شخص جس نے کسی مزدور کو اُجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا مگر اس کو اس کی مزدوری نہ دی۔

یہ تینوں بڑے گناہ ہیں۔

پہلا شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ دیا اور بعد میں دھوکہ دیا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نام کی قدر نہیں کرتا بلکہ اس کی بے حرمتی کرتا ہے، اس لیے وہ سخت عذاب کا مستحق ہے۔

آزاد انسان کو بیچنے والا اس لیے سخت عذاب کا سزاوار ہے کہ ایک انسان کو جو آزاد ہے غلام بنا دینا بہت بڑا ظلم ہے، اس لیے ایسا کرنے والا اللہ کے عذاب کا مستحق ہے۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آزاد انسانوں کو اغواء کرتے ہیں اور ان کے بدلے میں پیسہ لیتے ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

مزدور سے کام لینا اور اس کی اُجرت نہ دینا ایک بہت بڑا ظلم ہے، وہ بیچارہ محنت کرتا ہے اور اس کی محنت کا صلہ نہ دینا انتہائی ناروا عمل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ - قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « ثَلاَثٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلاَةِ يَمْنَعُهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلاً بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللَّهِ لأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ

عَلَى غَيْرِ ذٰلِكَ وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ»(رواه البخاری ص: ۳۱۷ ج: ۱, و مسلم ص: ۷۱ ج: ۱ واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ- رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے:

(۱) وہ شخص جو کسی ویرانے میں پانی پر قابض ہو اور وہ پانی اپنی ضرورت سے زائد ہو، لیکن مسافر کو اس سے روک دے۔

(۲) وہ شخص جو کسی کو عصر کے بعد کوئی چیز بیچتے وقت اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی ہے، حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا ہو، اور دوسرا شخص اس کی قسم پر یقین کر لے۔

(۳) وہ شخص جو کسی امام (حاکم) کے ساتھ محض دنیا کے مفاد کے لیے بیعت کرے، اگر وہ اس کو کچھ دے تو وفادار بنے، اور اگر نہ دے تو وفاداری چھوڑ دے۔

ایسے سخت عذاب کے مستحق افراد میں اور بھی لوگ شامل ہیں، جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا، ان میں والدین کے نافرمان، مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورت، اور دیوث (غیرت سے خالی انسان) بھی شامل ہیں۔

لہٰذا ان اعمال سے بچنا لازم ہے تاکہ ہم ان دردناک عذابوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ایسا گناہ جو انسان کو جنت میں داخل کر دیتا ہے

علماء کرام نے فرمایا ہے: ذَنبٌ یُدخِلُكَ الجَنّةَ، وَحَسَنَةٌ تُدخِلُكَ النّارَ۔

یعنی: کبھی ایک گناہ انسان کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور کبھی ایک نیکی انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔

گناہ وہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص گناہ کر بیٹھے، مگر وہ گناہ اسے یاد رہے، اس کے دل میں ندامت اور عاجزی پیدا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے اور بالآخر اسے اپنی رضاء سے جنت میں داخل کر دے۔

پس وہی گناہ اس کے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ بن گیا۔

اور وہ نیکی جو انسان کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، وہ یوں ہوتی ہے:

کوئی نیک عمل کرے، پھر ہمیشہ اسے یاد رکھے کہ فلاں وقت میں میں نے فلاں نیکی کی تھی۔ اس عمل کی یاد دل میں تکبر اور بڑائی پیدا کر دے، اپنے آپ کو برتر جانے، اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ یہ کہے کہ لوگ گناہوں میں مشغول ہیں، اللہ تعالی کی نافرمانی میں مبتلاء ہیں، اور میں ہوں کہ عبادات و نیکیوں میں مشغول ہوں!

یہی احساس اللہ جل جلالہ کی ناراضگی کا سبب بن جاتا ہے، اور نتیجے کے طور پر وہی عبادت اسے جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

یعنی اس نے عبادت کی، مگر اسی عبادت کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا گیا!

حضرت عیسیٰ –علیہ السلام– نے فرمایا: تم لوگوں کے گناہوں کی طرف مت دیکھو، جیسے کہ تم خدا ہو! بلکہ اپنے گناہوں کی طرف دیکھو، جیسے کہ تم بندے ہو!“

مصیبت میں مبتلاء لوگوں پر رحم کرو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر اس نعمت پر اداء کرو کہ اس نے تمہیں سلامت رکھا ہے۔(**الموطأ لمالك،** ص: ۷۳۱، ج: ۲)

کسی کے متعلق یہ فیصلہ کرنے سے اجتناب لازم ہے کہ یہ جنتی ہے یا دوزخی، اور گناہ گاروں پر خود کو برتر سمجھنا ہر گز مناسب نہیں۔ بلکہ گناہ گاروں کے لیے ہدایت اور اصلاح کی دعاء مانگنی چاہیے۔

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِي ضَمْضَمُ بْنُ جَوْسٍ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « كَانَ رَجُلاَنِ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مُتَآخِيَيْنِ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يُذْنِبُ وَالآخَرُ مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ فَكَانَ لاَ يَزَالُ الْمُجْتَهِدُ يَرَى الآخَرَ عَلَى الذَّنْبِ فَيَقُولُ أَقْصِرْ.

فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ فَقَالَ لَهُ أَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِي وَرَبِّي أَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا فَقَالَ وَاللَّهِ لاَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ أَوْ لاَ يُدْخِلُكَ اللَّهُ الْجَنَّةَ.

فَقُبِضَ أَرْوَاحُهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَقَالَ لِهَذَا الْمُجْتَهِدِ أَكُنْتَ بِي عَالِمًا أَوْ كُنْتَ عَلَى مَا فِي يَدِي قَادِرًا وَقَالَ لِلْمُذْنِبِ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ

بِرَحْمَتِي وَقَالَ لِلآخَرِ اذْهَبُوا بِهِ إِلَى النَّارِ ». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ. (رواہ ابوداود ص: ٦٧٢ ج: ٢).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ —رضی اللہ عنہ— سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ — - ﷺ - — کو فرماتے ہوئے سنا: بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے، ایک گناہ کرتا تھا اور دوسرا عبادت میں کوشش کرنے والا تھا۔

عابد بھائی ہمیشہ گناہ گار کو گناہ کرتے دیکھتا، اور اسے کہتا: رُک جا!

ایک دن جب وہ پھر گناہ میں مبتلاء نظر آیا، تو اس نے کہا: رک جا!

گناہ گار نے جواب دیا: مجھے اور میرے رب کو چھوڑ دو، کیا تم میرے نگران بنائے گئے ہو؟"

عابد نے کہا: "اللہ کی قسم! اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا، یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا!

پھر ان دونوں کی روحیں قبض کر لی گئیں، اور دونوں رب العالمین کے سامنے جمع ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے عابد سے فرمایا: کیا تو میرے بارے میں جاننے والا تھا؟ یا میرے اختیار کو قابو میں رکھتا تھا؟

اور گناہ گار سے فرمایا: جا، میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا!

اور عابد کے بارے میں حکم دیا: اسے جہنم میں لے جاؤ۔

حضرت ابوہریرہ—رضی اللہ عنہ—نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اس نے ایک ایسی بات کہی جس نے اس کی دنیا و آخرت تباہ کردی!

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ اصل مطلوب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر عاجزی پیدا کرے۔ اگرچہ وہ بہت عبادت کرتا ہو، اور دوسرا شخص گناہ گار ہو، پھر بھی یہ گمان نہ کرے کہ میں جنتی ہوں اور وہ دوزخی۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک ترکی بزرگ جو حضرت مولانا عبدالرحمن جامی—رحمہ اللہ—کے مرید تھے، ان کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ اپنے سر پر ایک نور کا مشاہدہ کیا کرتے تھے، وہ حج کو گئے، اور فارغ ہو کر واپس آئے تو یہ کیفیت بجائے بڑھنے کے بالکل سلب ہو گئی، اپنے مرشد مولانا جامی—رحمہ اللہ— سے اس کا تذکرہ کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ حج سے پہلے تمھارے اندر تواضع و انکسار تھا، اپنے آپ کو گناہ گار سمجھ کر اللہ تعالی کے سامنے الحاح و زاری کرتے تھے۔ حج کے بعد تُم اپنے آپ کو نیک اور بزرگ سمجھنے لگے، اس لئے یہ حج ہی تمھارے لئے غرور کا سبب بن گیا، اسی وجہ سے یہ کیفیت زائل ہو گئی۔ (تفسیر معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۹۵)

قرآنِ کریم میں بھی مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ عبادات کے باوجود اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں اور اس سے معافی مانگتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم عبادت کے ساتھ تکبر سے بچیں، اور ہمیشہ عاجزی وانکساری اختیار کریں۔

نماز کی اہمیت

نماز اسلام میں کلمہ طیبہ کے بعد سب سے اہم عبادت اور دین کا دوسرا رکن ہے۔

اس عبادت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دیگر تمام عبادات زمین پر نازل ہوئیں، لیکن نماز وہ واحد عبادت ہے جس کا فرض ہونا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اپنے محبوب پیغمبر محمد رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم — کو معراج کی رات تحفے کے طور پر عطا فرمایا۔

اور میری ناقص معلومات کے مطابق، اس رات نبی کریم — علیہ الصلاۃ والسلام — کو نماز کے سوا کوئی اور عبادت عطا نہیں کی گئی۔

یہی بات نماز کی عظمت اور مقام کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول — صلی اللہ علیہ وسلم — کو خاص طور پر آسمانوں پر بلا کر نماز کا تحفہ عطاء فرمایا۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں بہت سے لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو نماز کی پرواہ نہیں کرتے، نیند یا معمولی مشغلے کی خاطر نماز قضا کر کے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کرتے

ہیں، اور رفتہ رفتہ نماز قضا کرنا ان کے لیے معمول بن جاتا ہے، بلکہ بعض کے لیے تو نماز پڑھنا بوجھ بن چکا ہوتا ہے۔

۱: نماز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (سورۃ البقرہ:۲۳۸)

ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی، اور اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہو جاؤ!

۲: نماز چھوڑنے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے

حدیث شریف میں ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ

(رواه البزار والطبراني في الكبير، الترغيب والترهيب: ص ۲۱۴)

ترجمہ: جس نے نماز ترک کی، وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غصہ ہو گا!

۳: نماز نبی کریم علیہ السلام کی آخری وصیت ہے

رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم — نے اپنے آخری وقت میں ارشاد فرمایا:

الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (رواه الطحاوي في مشكل الآثار: ج ۷، ص ۲۰۹)

ترجمہ: نماز کا خیال رکھو! نماز کا خیال رکھو! اور ان غلاموں (یعنی ملازموں) کا بھی خیال رکھو جو تمہارے زیرِ کفالت ہیں، ان پر ظلم نہ کرو اور ان سے ان کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لو۔

۴: نماز کے چند فائدے

علامہ ابن قیم جوزی —رحمہ اللہ— فرماتے ہیں: نماز رزق لانے والی، صحت کی محافظ، مصیبتوں کو دور کرنے والی، دل کو طاقت دینے والی، چہرے کو روشن کرنے والی، نفس کو خوشی دینے والی، سستی کو ختم کرنے والی، اعضاء کو بیدار کرنے والی، طاقت کا سہارا بننے والی، سینے کو کشادہ کرنے والی، روح کی غذا، دل کی روشنی، نعمتوں کی محافظ، عذابوں کی رکاوٹ، برکتوں کو کھینچنے والی، شیطان کو دور کرنے والی اور اللہ رحمن — جل جلالہ — کا قرب عطا کرنے والی عبادت ہے۔

(زاد المعاد: ج۴، ص ۳۳۲)

۵: نماز ایمان کی علامت ہے

اگر تم کسی شخص کی دینداری جاننا چاہتے ہو تو دیکھو کہ وہ نماز کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟

حدیث میں ہے: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ (رواہ مسلم: ج۱، ص ٦١)

ترجمہ: انسان اور شرک و کفر کے درمیان فرق نماز ہے!

یعنی نماز چھوڑنا کفر کے کاموں میں شامل ہے، یا کم از کم یہ کہ ایسا شخص بھی کافروں کی طرح عذاب کا مستحق ہے۔ بعض اوقات یہی ترکِ نماز انسان کو مکمل طور پر کفر میں لے جاتا ہے، خاص طور پر اگر کوئی شخص نماز

کا ترک کرنا جائز سمجھے، تو وہ کافر قرار پاتا ہے۔(شرح النووي علی مسلم: ج۱، ص۶۱)

اس طرح نماز چھوڑنا اسلام اور کفر کے درمیان ایک پُل کی مانند ہے، اگر اس طرف ہے تو مسلمان ہے، اور اگر پُل پار کر گیا، تو کفر کی حد میں داخل ہو گیا۔نعوذ باللہ من ذلک۔

امام احمد بن حنبل۔رحمہ اللہ۔کے نزدیک اگر کوئی بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر نماز ترک کرے تو وہ کافر شمار ہوتا ہے۔

۶: نماز چھوڑنے والا مجرموں کے ساتھ دوزخ میں ہوگا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ، إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ، فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ، عَنِ الْمُجْرِمِينَ، مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (سورة المدثر: ۳۸-۴۳)

ترجمہ: ہر جان اپنے کیے کے بدلے گروی ہے، سوائے دائیں ہاتھ والوں کے، وہ جنت میں ہوں گے اور مجرموں سے پوچھیں گے: تمہیں جہنم میں کیا چیز لے گئی؟ وہ جواب دیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے!

۷: نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- قَالَ وَفِي حَدِيثِ بَكْرٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- يَقُولُ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا لَا

يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ. قَالَ: فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.
(رواه مسلم ص: ۲۳۵ ج: ۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ —رضی اللہ عنہ— سے روایت ہے کہ نبی کریم —صلی اللہ علیہ وسلم— نے فرمایا: کیا تم نے غور کیا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں غسل کرے، تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہ جائے گا؟

صحابہ کرام نے کہا: نہیں، بالکل نہیں۔

نبی کریم —صلی اللہ علیہ وسلم— نے فرمایا: یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

۸: نماز کی پابندی جنت کا راستہ ہے

عَنْ حَنْظَلَةَ الْكَاتِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ رُكُوعِهِنَّ وَسُجُودِهِنَّ وَوُضُوئِهِنَّ وَمَوَاقِيتِهِنَّ وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ قَالَ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (رواه أحمد ص: ۲۸۷ ج: ۳۰، و قال الهيثمي: رجال أحمد رجال الصحيح!! مجمع الزوائد ص: ۲۸۹ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت حنظلہ کاتب —رضی اللہ عنہ— سے روایت ہے: جو شخص پانچ وقت کی نمازوں کی، ان کے رکوع، سجدوں، وضو اور وقتوں کی پابندی کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے فرض ہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا، یا یوں فرمایا: اس پر جنت واجب ہوگئی۔

۹: قیامت کے دن سب سے پہلا حساب نماز کا ہوگا

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قَالَ: قال رَسُول اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: إنَّ أوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ العَبْدُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صلاَتُهُ، فَإنْ صَلَحَتْ، فَقَدْ أفْلَحَ وأَنْجَحَ، وَإنْ فَسَدَتْ، فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ، فَإنْ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ، قَالَ الرَّبُ -عز وجل-: انْظُرُوا هَلْ لِعَبدي من تطوّعٍ، فَيُكَمَّلُ مِنْهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الفَرِيضَةِ؟ ثُمَّ تَكُونُ سَائِرُ أعْمَالِهِ عَلَى هَذَا (رواه التِّرمِذِيُّ، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ\رياض الصالحين ص: ٣٤٦).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ –رضی اللہ عنہ– سے روایت ہے کہ رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلا حساب نماز کا ہوگا، اگر نماز درست ہو گئی، تو وہ کامیاب ہو گیا، اور اگر نماز خراب نکلی تو وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔

اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو، میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں؟ اگر ہوں تو ان سے فرضوں کی کمی پوری کر دی جائے گی، پھر اسی پیمانے سے باقی اعمال کا حساب ہوگا۔

۱۰: بے نمازی کا حشر بڑے کافروں کے ساتھ ہوگا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ

وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ (رواہ احمد ص: ۱۴۱ ج: ۱۱ و الدارمی ص: ۳۹۰ ج: ۲ و البیہقی فی شعب الایمان ص: ۴۶ ج: ۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ نبی کریم- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے ایک دن نماز کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا:

جو شخص نماز کی پابندی کرے گا، وہ نماز قیامت کے دن اُس کے لیے نور، دلیل اور نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو اس کی حفاظت نہ کرے گا، اُس کے لیے نہ نور ہوگا، نہ دلیل، نہ نجات، اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بے نمازی کا ان کفار کے ساتھ حشر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بادشاہی و حکومت میں مشغول ہو کر نماز چھوڑتا تھا تو اس کا انجام فرعون کے ساتھ ہوگا۔ اگر وزارت میں مشغول تھا تو ہامان کے ساتھ ہوگا۔ اگر مال و دولت میں مصروف تھا تو قارون کے ساتھ، اور اگر تجارت و کاروبار میں مصروف ہو کر نماز چھوڑتا تھا تو اُبی بن خلف کے ساتھ، جو مکہ کے کفار کا مشہور تاجر تھا۔

۱۱: بے نمازی کو قیامت کے دن کیسے عذاب دیا جائے گا؟

حضرت سمرہ بن جندب -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور نبی کریم- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - اس کی تعبیر بیان فرماتے۔

ایک بار نبی کریم - ﷺ - نے اسی طرح پوچھنے کے بعد فرمایا: آج رات میں نے خود ایک خواب دیکھا۔

(اس کے بعد آپ - ﷺ - نے ایک طویل خواب بیان فرمایا جس میں جنت، جہنم اور مختلف قسم کے عذاب دیکھے تھے۔ ان میں سے ایک منظر یوں تھا:)

ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، اور ایک دوسرا شخص ایک بڑی چٹان لیے کھڑا تھا۔ وہ چٹان کو اُٹھا کر پوری قوت سے اُس شخص کے سر پر مارتا، اُس کا سر پھٹ جاتا، چٹان لڑھک کر دور جا گرتی، پھر وہ دوسرا شخص اُسے دوبارہ اٹھا کر لاتا۔ اتنے میں زخمی سر دوبارہ پہلے کی طرح صحیح ہو جاتا، پھر وہ چٹان سے اُسے ویسے ہی مارتا جیسے پہلے مارا تھا۔

نبی کریم - ﷺ - نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: یہ شخص کون ہے؟

جواب دیا گیا: فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ (بخاری شریف: ۲/۱۰۴۴)

ترجمہ: یہ وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا تھا، مگر اسے چھوڑ دیا اور فرض نماز سے سوتا رہا (نماز قضاء کرتا تھا) ---

پس، نماز ترک کرنا دین و دنیا کی بربادی ہے۔ لازم ہے کہ ہم نماز کی مکمل پابندی کریں۔

اللہ جل جلالہ تمام مسلمانوں کو نماز کا پابند بنائے اور ہمارے تمام نمازوں و عبادتوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مسلمان کا گھر کیسا ہونا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ کے انسانوں پر انعامات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن ہی نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ "(النحل:۱۸)

ترجمہ: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو، تو انہیں گن نہیں سکتے۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات ہر بندے پر بے شمار ہیں، اور انہی عظیم نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت "گھر" ہے۔

گھر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے، جو اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے تاکہ وہ اس پر شکر ادا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَناً وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الأَنْعَامِ بُيُوتاً تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ "(النحل:۸۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا، اور تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جو تمہیں سفر اور قیام کے وقت ہلکے معلوم ہوتے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا فضل بیان کیا ہے، کہ اس نے ان کے لیے دو قسم کے گھر بنائے:

۱. وہ گھر جو مستقل جگہ پر ہوتے ہیں اور انسان اُن میں سکونت اختیار کرتا ہے، جیسے شہروں کے مکانات۔

۲. دوسرا قسم کے گھر خیمے ہوتے ہیں، جو عموماً سفر کرنے والے یا صحرائی لوگ استعمال کرتے ہیں، اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے جا سکتے ہیں۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں، لیکن افسوس کہ ان نعمتوں کی ہم میں سے اکثر لوگ قدر نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر شکر ادا کرتے ہیں۔

انسان کو چاہیے کہ ان لوگوں کے حال پر غور کرے جن کے پاس گھر نہیں، یا جنھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، یا جو اتنی جگہ بھی نہیں پاتے کہ اس میں رہ سکیں۔ ان پر زندگی کتنی کٹھن اور پریشانیوں سے بھری ہوتی ہے۔

ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے:

نہ صرف یہ کہ اس نے ہمیں گھر عطا کیے، بلکہ ان گھروں میں ہمیں طرح طرح کی آسائشیں اور سہولتیں بھی عطا فرمائیں، جیسے گرم و ٹھنڈا پانی، نرم بستر، اور کشادہ جگہیں۔

اللہ ﷻ نے اس آیت میں اس نعمت کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ہم اس پر شکر گزار بنیں۔

اس نعمت کا شکر اس وقت ادا ہوتا ہے جب ہم اپنے گھروں کو ان صفات سے آراستہ کریں جو ایک مسلمان کے گھر کے لیے ضروری ہیں۔

گھر تو کافروں کے پاس بھی ہوتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان کے گھر میں اور کافر کے گھر میں فرق کیا ہے؟

کیا صرف رنگ و روغن اور دیواروں کی خوبصورتی ہی مسلمان گھر کی پہچان ہے؟

ہر گز نہیں! یہ تو ہر قسم کے لوگ رکھتے ہیں، خواہ نیک ہوں یا گناہگار، حتیٰ کہ کافر بھی۔

پس مسلمان کے گھر کی خصوصیت کیا ہے؟

وہ کون سی بات ہے جو اللہ کے ایک فرمانبردار بندے کے گھر اور ایک گناہگار یا کافر کے گھر کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے؟

جب ہم وہ صفات اور خصائص اپنے گھروں میں لائیں گے تو ان شاءاللہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر شکر ادا کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔

مسلمان کا گھر دو چیزوں سے ممتاز ہوتا ہے:

۱. گھر کے رہنے والوں سے

۲. گھر کے اندر موجود اشیاء سے : مسلمان کے گھر کے تمام افراد مسلمان، عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں۔

اور اس کے اندر موجود اشیاء بھی دین کی خدمت اور عبادتِ الٰہی کے لیے وقف ہوتی ہیں۔

اس بارے میں دو صفات ایسی ہیں جو ایک مسلمان گھر میں لازمی ہونی چاہئیں:

۱. وہ خوبیاں جن سے ایک مسلم گھرانہ مزین ہونا چاہیے۔

۲. وہ خرابیاں جن سے ایک مسلم گھرانہ پاک اور محفوظ ہونا چاہیے۔

اب ہم اُن خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک مسلمان گھر مزین ہونا چاہیے:

۱. مسلمان کا گھر طاعت و عبادت کا مرکز ہونا چاہیے، اور اللہ کے ذکر سے آباد ہونا چاہیے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِى يُذْكَرُ اللَّهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِى لاَ يُذْكَرُ اللَّهُ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ». (رواہ مسلم ص: ۲۶۵ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور جس میں نہیں ہوتا، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

اس حدیث میں اس گھر کو جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، زندہ انسان سے تشبیہ دی گئی ہے، جو خود حرکت کرتا ہے۔ اور وہ گھر جس میں

اللہ کا ذکر نہیں ہوتا، اُسے مردہ سے تشبیہ دی گئی ہے، جو بے حس و حرکت ہوتا ہے۔

۲. مسلمان کا گھر نماز سے آباد ہونا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: اِجْعَلُوا مِنْ صَلاَتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا. (مسلم ص: ٢٦٥ ج:١)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: اپنی نمازوں میں سے کچھ حصہ اپنے گھروں میں بھی ادا کیا کرو، اور انہیں قبریں مت بناو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو گھر نماز سے آباد ہو، وہ زندہ گھروں میں شمار ہوتا ہے۔ اور اگر نماز نہ ہو تو وہ قبرستان جیسے ہو جاتے ہیں۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ « صَلاَةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهِ فِي مَسْجِدِي هَذَا إِلاَّ الْمَكْتُوبَةَ ». (رواه ابوداود ص: ١٤٩ ج:١)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: فرض نماز کے سوا، آدمی کی باقی تمام نمازیں اس کے گھر میں میرے اس مسجد میں پڑھنے سے افضل ہیں۔

یہ حدیث خاص طور پر مردوں کے لیے ہے، کہ نفل نمازیں گھر میں اداء کریں تاکہ ریاء سے محفوظ رہیں اور اخلاص نصیب ہو۔

جبکہ فرض نماز مسجد میں اداء کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

لیکن عورتوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ تمام نمازیں گھر میں ادا کریں، کیونکہ ان کے لیے یہی زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

نماز کا گھروں میں اداء ہونا اولاد کے لیے تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔ بعض بچے اگر اپنے والد کو نماز پڑھتے نہ دیکھیں تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ نماز صرف عورتوں پر فرض ہے، کیونکہ وہ صرف اپنی ماں یا بہنوں کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں۔ اس لیے مردوں کو چاہیے کہ وہ گھروں میں نفل نمازیں ضرور ادا کریں۔

۳. مسلمان کا گھر قرآن کریم کی تلاوت سے مزین ہونا چاہیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : لاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِى تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ. (مسلم ص: ٢٦٦ ج:١)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، کیونکہ شیطان اُس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

اس حدیث میں چند اہم نکات ہیں:

۱. "مسلمانوں کے گھر زندوں کے گھر ہوتے ہیں، انہیں قرآنِ کریم سے آباد رکھنا چاہیے۔ قبریں اور قبرستان خالی ہوتے ہیں، مردے نہ تلاوت کرتے ہیں اور اگر کریں بھی تو انہیں ثواب نہیں ملتا۔

زندہ اور مردہ کے گھروں میں یہی فرق ہے کہ زندوں کے گھروں میں عبادت ہوتی ہے، جبکہ مردوں کے گھروں میں عبادت نہیں ہوتی۔

لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر کو ایسے اعمال سے آباد رکھے جو اسے زندوں کا گھر بنائیں، نہ کہ اسے مردوں کے گھروں کی صفات سے مشابہ بنائے۔

۲. شیطان اُس گھر میں نہیں ٹھہرتا جہاں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہو۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: اقْرَءُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلاَ تَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ ». قَالَ مُعَاوِيَةُ بَلَغَنِى أَنَّ الْبَطَلَةَ السَّحَرَةُ. (رواہ مسلم ص:۲۷۰ ج:۱)

ترجمہ: سورۃ البقرہ کی تلاوت کیا کرو، اس کا لینا برکت ہے، اس کا چھوڑنا حسرت ہے، اور اس پر جادوگر قدرت نہیں رکھتے۔

"البطلة" سے مراد جادوگر ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھر جہاں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے، وہاں نہ جادو کا اثر ہوتا ہے، نہ جنات کا ڈر۔

اسی طرح بعض لوگ جنّات کی ایذارسانیوں میں مبتلاء ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا عقیدہ اللہ تعالیٰ پر درست رکھیں، اور اپنے

گھروں میں دینداری، عبادات اور قرآن کی تلاوت کو معمول بنائیں۔ان شاءاللہ،ان سب آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے۔

یہ اوصاف ایک مسلمان گھرانے میں ضرور ہونے چاہییں، کیونکہ مسلمان کے گھر کی پہچان نماز، ذکرِ الٰہی اور قرآنِ کریم کی تلاوت سے ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ گھرانے جن میں نہ نماز ہوتی ہے، نہ قرآن پڑھا جاتا ہے، نہ اللہ جل جلالہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ایسے گھر یقیناً اس قابل ہو جاتے ہیں کہ شیطان اور جنّات ان میں بسیرا کریں، اور ان گھروں کو اپنا مسکن بنالیں، جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہاں رہنے والے افراد طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا جو شخص جنّات اور شیاطین سے محفوظ رہنا چاہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی چاہے، اسے چاہیے کہ اپنے گھر کو دین سے آباد کرے۔ کیونکہ حقیقی خوشی دین میں ہے، دین کے علاوہ کسی شے میں راحت و سکون نہیں۔ دین کی برکت سے گھر میں اتحاد، خوشحالی اور نیک نیتی پیدا ہوتی ہے، اور جب دین نہ ہو، تو بدنیتی، اختلاف اور فتنہ و فساد جنم لیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہر فرد کے لیے غم اور دکھ ہوتا ہے۔

ایک مسلمان گھر کو کن چیزوں سے پاک ہونا چاہیے؟

مسلمان کا گھر ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہونا چاہیے: کفر، شرک، بے حیائی، بے پردگی وغیرہ۔ان سب سے بچنا ضروری ہے۔

انہیں اپنی روزمرہ زندگی میں سب سے زیادہ ترجیح اسلام کو دینی چاہیے۔ اپنی خواہشات، رسم و رواج کو اسلام کے میزان پر پرکھنا چاہیے، اور جو چیز اسلام سے متصادم ہو، اسے چھوڑ کر اسلام پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

خصوصاً غیر ضروری کتوں اور تصاویر کے رکھنے سے بھی گھر کو پاک رکھنا چاہیے۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ صُورَةٌ» (رواه البخاری ص: ۴۵۸ ج: ۱، و مسلم ص: ۲۰۰ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيبُ إِلا نَقَضَهُ (رواه البخاری ص: ۸۸۰ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم - ﷺ - اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں صلیب کی تصویر ہو، بلکہ اسے ضرور مٹا دیتے تھے۔

گھر میں بلا ضرورت کتے اور تصاویر رکھنا بڑا گناہ ہے، لیکن افسوس کہ آج کے دور میں یہ چیزیں بہت عام ہو گئی ہیں۔ ایسے گھر بہت کم

ملیں گے جو خاص طور پر تصاویر سے پاک ہوں، حالانکہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے، اور ایسی عظیم خیر سے محرومی ہے کہ رحمت کے فرشتے وہاں نہیں آتے۔ جس گھر میں رحمت کے فرشتے نہ آئیں، وہاں غضب کے فرشتے آتے ہیں، وہاں عذاب اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، اور وہ گھر شیاطین اور جنّات کا مسکن بن جاتا ہے۔ ایسی گھرانوں میں صرف عذاب، بد بختی، طرح طرح کے غم اور مصیبتیں ہی نازل ہوتی ہیں۔

اسلام میں اچھے اخلاق کی اہمیت

عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ (رواہ احمد ص: ۱۱۴ ج: ۱۶ و البیھقی فی شعب الایمان ص: ۱۲۸ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے فرمایا: ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہو۔

اس حدیث میں ایمان کی تکمیل کا معیار حسنِ اخلاق کو قرار دیا گیا ہے، اور فضیلت و برتری کا پیمانہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، وہی حقیقت میں تم میں سے سب سے بہتر ہے۔

کیونکہ عام لوگوں کے ساتھ انسان کا میل جول کم وقت کے لیے ہوتا ہے، اس مختصر وقت میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ آسان ہوتا ہے، لیکن اپنے گھر میں، جہاں انسان طویل وقت گزارتا ہے، وہاں اگر وہ اچھا سلوک کرے تو یقیناً وہ بہتر انسان ہے۔

اخلاق حسنہ کی فضیلت اور اہمیت کے بارے میں قرآن و حدیث میں بے شمار دلائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند بطورِ نمونہ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں: اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۴)

ترجمہ: اے نبی - ﷺ -! بے شک آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی - ﷺ - کی عظمت کا ایک نمایاں پہلو بیان کیا ہے، وہ یہ کہ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔

پس جو شخص اس وصف میں نبی - ﷺ - کی پیروی کرے گا، وہ دنیا و آخرت دونوں میں اس صفت کا فائدہ حاصل کرے گا۔

ایک اور آیت میں فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الأعراف: ۱۹۹)

ترجمہ: در گزر اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو، اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی - ﷺ - کو حسنِ اخلاق کا حکم دیا ہے، اور قرآنِ کریم میں اس سے بہتر جامع ہدایت برائے اخلاق موجود نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: إِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- كَانَ الْقُرْآنَ (رواہ مسلم: ۱/۲۵۶)

یعنی نبی اکرم - ﷺ - کے اخلاق قرآن تھے!

یعنی جن اعمال واخلاق کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے، ان کا عملی نمونہ نبی - ﷺ - کی ذات مبارکہ تھی۔

آپ - ﷺ - کی سیرت، عادات، کردار اور افعال قرآن کریم کی مکمل عکاسی کرتے تھے۔

حضرت انس -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے:

وَلَقَدْ خدمتُ رسول اللهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- عَشْرَ سنين، فما قَالَ لی قَطُّ: أُفٍّ، وَلاَ قَالَ لِشَيءٍ فَعَلْتُهُ: لِمَ فَعَلْتَه ؟ وَلاَ لشَيءٍ لَمْ أفعله: ألاَ فَعَلْتَ كَذا ؟ (متفقٌ عَلَيْهِ، ریاض الصالحین ص: ۲۳۱)

ترجمہ: میں نے دس سال تک رسول اللہ - ﷺ - کی خدمت کی، لیکن آپ نے مجھے کبھی "اف" تک نہیں کہا، نہ کبھی کسی کام پر جو میں نے کیا ہو، یہ کہا کہ "تم نے یہ کیوں کیا؟" اور نہ ہی کسی نہ کیے گئے کام پر فرمایا کہ "تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟"

ایک حدیث میں آیا ہے: إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ (السنن الکبری للبیہقی: ۱۰/۱۹۱)

ترجمہ: مجھے بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کو مکمل کر دوں۔

اس حدیث سے اخلاقِ حسنہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ -ﷺ - کی بعثت کا عظیم مقصد ہی اخلاقی خوبیوں کو دنیا میں عام کرنا اور ان کی تکمیل کرنا تھا۔

جو شخص اپنے اخلاق کو سنوارنا چاہے، اسے چاہیے کہ نبی کریم - ﷺ - کے اخلاق وعادات کو اپنائے، تو وہ یقیناً ان فضائل کا وارث بن جائے گا۔

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لاَ يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لاَ يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ». رواہ مسلم ص: ۳۲۲ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ - رضی اللہ عنہا - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی کے ذریعے وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی کے ذریعے عطا نہیں کرتا، بلکہ کسی اور چیز کے ذریعے بھی نہیں دیتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ خود نرم دل اور مہربان ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے پر مہربان ہوں، تاکہ اللہ ان پر بھی مہربانی فرمائے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ (شرح السنۃ للبغوی ص: ۳۰۷ ج: ۶)

ترجمہ: حضرت عائشہ - رضی اللہ عنہا - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: جسے نرمی میں سے حصہ دیا گیا، اسے دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے حصہ دیا گیا، اور جو نرمی سے محروم رہا، وہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے محروم رہا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو - رضی اللہ عنہما - سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنُكُمْ أَخْلاقًا (رواہ البخاری: ۱/۵۳۱)

ترجمہ: تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔

ایک اور روایت میں فرمایا: إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاَقًا (رواہ البخاری: ۱/۵۰۳، و مسلم: ۲/۲۵۵)

ترجمہ: تم میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ان النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ (رواہ الترمذی ص: ۲۰ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت ابودرداء - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزانِ اعمال میں سب

سے وزنی چیز اس کا اچھا اخلاق ہوگا، اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ - رضی اللّٰہُ عنہا - قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم- یَقُولُ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ. (رواہ ابوداؤد ص: ٦٦١ ج: ٢)

ترجمہ: حضرت عائشہ -رضی اللہ عنہا- سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کو فرماتے ہوئے سنا:

"بیشک مومن اپنے حسنِ اخلاق کے ذریعے روزہ دار اور راتوں کو قیام کرنے والے (عبادت گزار) کے درجے کو پالیتا ہے۔"

اس حدیث پر غور کیجیے کہ حسنِ اخلاق انسان کو کس قدر بلند درجات عطا کرتا ہے، لہٰذا ان فضائل کے حصول کے لیے محنت اور جدوجہد کرنی چاہیے۔

رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ، ارْفُقِي، فَإِنَّ الرِّفْقَ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلاَّ زَانَهُ، وَلاَ نُزِعَ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلاَّ شَانَهُ (رواہ ابوداؤد ص: ٦٦٢ ج: ٢)

ترجمہ: اے عائشہ! نرمی اختیار کرو، کیونکہ جب نرمی کسی چیز میں ہوتی ہے تو وہ اسے زینت دیتی ہے، اور جب نرمی کسی چیز سے نکال لی جاتی ہے تو وہ چیز بدنما ہوجاتی ہے۔

اخلاقِ حسنہ کی فضیلت اور اہمیت پر قرآن و حدیث میں بے شمار دلائل آئے ہیں، لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ ان فضائل کے حصول کے لیے کوشش کریں اور اپنے اندر حسنِ اخلاق پیدا کریں۔

اچھے اخلاق کسے کہتے ہیں؟

وہ تمام افعال و اعمال جن کے اپنانے سے انسان خوش اخلاق بن جاتا ہے، اُن کی ایک بڑی تعداد ہے۔ اگر یہ عادات و خصائل کسی شخص میں پیدا ہو جائیں تو وہ خوش اخلاق انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ وہ صفات ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نفع پہنچانا۔

۲: کسی کو ایذا نہ دینا، لوگوں کو اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہنا چاہیے۔

۳: ہر مؤمن مسلمان سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا۔

۴: دوسروں کی تکلیف پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا۔

۵: ایمان کی شُعبے اور شاخیں اپنے اندر پیدا کرنا، جیسے: شکر، صبر، احسان، عبادت، عاجزی وغیرہ (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے)۔

۶: تمام اعمال محض اللہ جل جلالہ کی رضاء کے لیے کرنا، ریاکاری اور دکھاوے سے بچنا۔

اچھے اخلاق کے حامل شخص میں یہ اوصاف بھی پائے جاتے ہیں:

وہ باحیاء ہوتا ہے، نیک اعمال کثرت سے کرتا ہے، سچ بولتا ہے، کم گفتگو کرتا ہے، زیادہ عمل کرتا ہے، بے فائدہ کاموں سے بچتا ہے، مسلمانوں

سے تعلق قائم رکھتا ہے، باوقار اور باعزت ہوتا ہے، کسی پر لعنت نہیں بھیجتا، چغلی نہیں کھاتا، غیبت سے اجتناب کرتا ہے، جلد بازی سے پرہیز کرتا ہے، کسی مسلمان کے ساتھ کینہ و بغض نہیں رکھتا، بخیل نہیں ہوتا، خوش باش رہتا ہے اور دیگر تمام اچھے اوصاف اس میں موجود ہوتے ہیں۔

اگر یہ تمام صفات کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ بہترین اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔

اچھے اخلاق کی علامات

اچھے اخلاق کی علامت یہ ہے کہ جب تُو لوگوں سے غائب ہو جائے یا کسی اور جگہ چلا جائے تو لوگ تیری کمی محسوس کریں، تجھے یاد کریں۔

ایک اور علامت یہ ہے کہ وہ کسی پر تنقید یا عیب چینی صرف خیر خواہی کے جذبے سے کرتا ہے۔

کسی سے حسد یا بغض نہیں رکھتا، اُس کی دوستی اور دشمنی صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ کسی کو حقیر اور کم تر نہیں سمجھتا۔

اچھے اخلاق کی اور بھی کئی نشانیاں ہیں، جو ہر ذی شعور انسان کے لیے قابل فہم ہیں۔

اچھے اخلاق اپنے اندر کیسے پیدا کیے جائیں؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوں، تو ہمیں درج ذیل امور اختیار کرنے چاہییں:

۱: اپنے اندر وہ تمام صفات پیدا کرنا جو اچھے اخلاق کی صفات شمار ہوتی ہیں۔

۲: وہ اوصاف اپنانا جن کے ذریعے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔(اس بارے میں ہماری کتاب "کامیاب مسلمان" صفحہ: ۹۱ ملاحظہ فرمائیں۔)

۳: ایک بہت مؤثر اور عظیم طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حال میں پیروی کی جائے، کیونکہ اخلاقیات کے لیے یہی سب سے بڑا معیار ہے۔

۴: اللہ جل جلالہ سے دعاء مانگنا کہ: "یا اللہ! مجھے حسنِ اخلاق کا پیکر بنا دے!"

۵: ایک اور طریقہ یہ ہے کہ کسی انسان کو تم سے تکلیف نہ پہنچے؛ خاص طور پر تھکن، غم یا غصے کی حالت میں کسی سے ملاقات نہ کی جائے۔

۶: اچھے اخلاق کی فضیلت کے بارے میں مطالعہ کرنا، یا دوسروں سے سننا اور اس پر غور کرنا۔

ان شاء اللہ، ان طریقوں پر عمل کرنے سے انسان کے اخلاق سنور جائیں گے۔

اپنے نفس کی ساتھ محاسبہ

یہ بات ہم تمام مسلمانوں کا عقیدہ اور پختہ ایمان ہے کہ انسانوں سے ضرور حساب لیا جائے گا، اور اس سے نجات کی کوئی سبیل نہیں۔

یقیناً ایک ایسا دن ضرور آنے والا ہے، جس دن انسان کے تمام اعمال تولے جائیں گے، اور اسی کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

اگر اس کا عمل نیک ہوگا، تو بدلہ بھی اچھا دیا جائے گا، اس کے حصے میں اجر و ثواب آئے گا، اور اس کے نیک اعمال کے بدلے میں ہمیشہ کی کامیابی اور خوشی نصیب ہوگی۔

لیکن اگر کسی کا عمل برا ہوا — نعوذ باللہ من ذٰلک — تو پھر اس کے اعمال کے مطابق ہی اسے بدلہ دیا جائے گا، اور اللہ تعالٰی کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔

اللہ تعالٰی نے مجرموں کے لیے ایسے عذاب تیار کر رکھے ہیں جن میں وہ غم و پریشانی کی حالت میں مبتلاء ہوں گے، لیکن ان کے پاس کوئی راستہ نہ ہوگا، نہ وہ کسی طرف بھاگ سکیں گے تاکہ عذاب سے بچ سکیں۔

نہ چالاکی کام آئے گی، نہ سفارش چلے گی، نہ دولت فائدہ دے گی، نہ رشوت لی جائے گی، اور نہ ہی قوم و قبیلہ کام آئے گا۔

اللہ ربّ العالمین نے اپنے مقدس کلام میں فرمایا ہے: وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ (الذاریات: ٦)

ترجمہ: یقیناً بدلہ (اور حساب) ضرور واقع ہونے والا ہے!

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بدلہ اور حساب ضرور ہونے والا ہے، یعنی ہر شخص سے حساب لیا جائے گا، چاہے وہ نیک ہو یا بدکار۔

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم-: مَا مِنْکُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ سَیُکَلِّمُہُ اللّٰہُ لَیْسَ بَیْنَہُ وَبَیْنَہُ تُرْجُمَانٌ فَیَنْظُرُ أَیْمَنَ مِنْہُ فَلاَ یَرَی إِلاَّ مَا قَدَّمَ وَیَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْہُ فَلاَ یَرَی إِلاَّ مَا قَدَّمَ وَیَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلاَ یَرَی إِلاَّ النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْہِہِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ۔(متفق علیہ، مشکات ص: ۴۸۵ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے اس کا رب بات نہ کرے، اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو صرف وہ اعمال دیکھے گا جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے، بائیں طرف دیکھے گا تو وہی اعمال دیکھے گا، اور سامنے دیکھے گا تو صرف دوزخ کی آگ نظر آئے گی جو اس کے سامنے ہوگی۔ پس تم آگ سے بچو، چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے صدقے ہی سے کیوں نہ ہو۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بالمشافہ گفتگو فرمائیں گے۔ اس کے دائیں جانب اس کے نیک اعمال ہوں گے، بائیں جانب برے اعمال، اور سامنے جہنم کی آگ۔ یہ ایک نہایت ہی خوفناک اور پرہیبت منظر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی پردہ۔ اس لیے کہ ترجمان اور پردے کی موجودگی ہیبت کو کم کردیتی ہے، اور جب براہِ راست بات ہوتی ہے تو رُعب بڑھ جاتا ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم - ﷺ - نے فرمایا کہ اُس دن آنے سے پہلے ہی تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، جس طریقے سے بھی ممکن ہو۔ اگر کچھ نہ کرسکو تو آدھی کھجور صدقہ کرکے ہی اپنے آپ کو بچالو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ:

۱۔ اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اور کسی پر آدھی کھجور کے برابر بھی ظلم نہ کرو۔

۲۔ آدھی کھجور صدقہ کرکے بھی آگ سے بچاؤ حاصل کیا جاسکتا ہے۔(لمعات)

اس وقت اللہ تعالیٰ بندے سے سوال فرمائے گا: تُو نے میری کتنی اطاعت کی؟ دین کے مطابق کتنا چلا؟ اور کتنے گناہ کیے؟

ان حالات پر انسان کو غور کرنا چاہیے کہ کس قدر سخت وقت اس کے سامنے آنے والا ہے، مگر پھر بھی ہم غفلت میں زندگی گزارتے ہیں، حالانکہ ہم ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں اس کی فکر نہیں ہوتی۔

دنیا میں اگر ذرا سی گرمی آجائے تو ہم اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے انتظامات کرتے ہیں، لیکن قیامت کے دن کی شدید گرمی کا

ہمیں کوئی خیال نہیں، جبکہ اُس دن سورج صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا،

جبکہ آج سورج زمین سے تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے، اور پھر بھی ہم اس کی گرمی برداشت نہیں کر پاتے۔

پھر اُس دن جب سورج صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا، زمین تانبے کی طرح گرم ہوگی، دن پچاس ہزار سال کا ہوگا، بدن پر کوئی لباس نہ ہوگا، اور گرمی سے بچنے کا کوئی سامان بھی نہ ہوگا— تو ہمارا کیا حال ہوگا؟

اُس وقت موت بھی نہ ہوگی، ورنہ سختی کی وجہ سے لوگ مر جاتے۔

ایسے سخت حالات سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں دین کے مطابق زندگی گزارے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم -: مَنْ حُوسِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ. فَقُلْتُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا) فَقَالَ: لَيْسَ ذَاكِ الْحِسَابُ إِنَّمَا ذَاكِ الْعَرْضُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ. (متفق عليه، مشكات ص: ۴۸۴ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ - رضی اللہ عنہا - سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے فرمایا: قیامت کے دن جس سے بھی حساب لیا گیا، اسے عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ - رضی اللہ عنہا - نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق: ۸)(یعنی: جسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کا آسان حساب لیا جائے گا۔)

نبی کریم - ﷺ - نے فرمایا: وہ صرف پیشی ہو گی، لیکن جس سے باریک بینی کے ساتھ حساب لیا گیا، وہ عذاب میں ڈالا جائے گا۔

یعنی یہ تفصیلی حساب نہیں ہو گا، صرف اعمال پیش کیے جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی کا مظاہرہ کرے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: إِنَّ اللَّهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُولُ: أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ أَيْ رَبِّ حَتَّى قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ قَالَ: سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ أَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيُنَادَى بِهِمْ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ».(متفق عليه \ مشكاة المصابيح ص: ۴۸۵ ج: ۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمر - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - ﷺ - نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤمن کو قریب کرے گا، اُسے اپنی رحمت میں چھپا لے گا، اور لوگوں سے پوشیدہ رکھے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہیں فلاں گناہ یاد ہے؟ کیا فلاں گناہ تمہیں یاد ہے؟

وہ عرض کرے گا: جی ہاں، اے میرے رب!

یہاں تک کہ وہ اپنے تمام گناہوں کا اقرار کر لے گا، اور سمجھ لے گا کہ وہ تو ہلاک ہو گیا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالا تھا، اور آج انہیں تمہارے لیے معاف کرتا ہوں۔

پھر اس کو اس کے نیک اعمال کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا۔

اور کفار و منافقین کے بارے میں سب کے سامنے اعلان کیا جائے گا:

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ خبردار! اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر!"

لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حساب ضرور ہو گا، البتہ اعمال کے وزن اور بدلہ میں فرق ہو گا۔

اگر نیکیاں زیادہ ہوئیں تو انجام جنت اور کامیابی ہو گی۔

اگر گناہ غالب آئے تو انجام عذاب ہو گا — اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

اور اگر نیکی اور بدی برابر ہو گئے تو بھی خوش نصیب ہے کہ عذاب سے بچ گئے۔

بعض لوگوں کا حساب سخت اور باریک ہوگا، ان سے ہر گناہ کے بارے میں سوال ہوگا،

یہی اُن کی بربادی کا باعث بنے گا، کیونکہ انسان کے اعمال چاہے جتنے بھی ہوں، وہ اللہ کے ایک نعمت کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔

کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا حساب آسان ہوگا، اور حقیقت میں وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں خود اپنا محاسبہ کیا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا محاسبہ خود کریں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے حساب کے لیے تیار ہوں اور دنیا میں اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہیں۔

اللہ ربّ العالمین نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ الحشر: ١٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل (آخرت) کے لیے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے!

اس مبارک آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو تین باتوں کا حکم دیا ہے:

١. اتَّقُوا اللَّهَ یعنی ایمان کے تقاضوں کے مطابق تقویٰ اختیار کرو، شرک اور کفر سے مکمل اجتناب کرو۔

۲. وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ یعنی ہر شخص اپنا محاسبہ کرے کہ اس نے آخرت کے لیے کون سے نیک اعمال بھیجے ہیں، اور وہ کون سے اعمال ہیں جو اللہ کے حضور پیشی کے وقت اس کے کام آئیں گے۔

۳. لِغَدٍ یعنی "کل"، اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

عربوں کی زبان میں "غد" (کل) سے مراد آئندہ آنے والا دن ہوتا ہے، اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی محض ایک دن کی مانند ہے اور کل ہی قیامت ہے۔

حضرت عمر فاروق – رضي الله عنه – نے اپنے خطبہ میں فرمایا: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَزِنُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الأَكْبَرِ، يَوْمَ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ" (مصنف ابن أبي شيبة، ج:۱۳، ص:۲۷۰، کنز العمال حدیث:۴۴۱۹۶، ج:۱۶، ص:۶۷)

ترجمہ: اپنے نفس کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے، اور اپنے اعمال کو تولو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال تولے جائیں، اور اپنے آپ کو اُس بڑی پیشی کے لیے آراستہ کرو، جس دن تم اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے، اور تمہارا کوئی عمل چھپا نہ رہے گا۔

ایسا کرنے سے، ان شاء اللہ، انسان بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا۔

جس طرح اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرنا قیامت کے دن سخت حساب کا سبب بنے گا، ویسے ہی اس دنیا میں غفلت نقصان دہ ہے۔

حضرت حسن بصری -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: إِنَّ الْمُؤْمِنَ قَوَّامٌ عَلَى نَفْسِهِ يُحَاسِبُ نَفْسَهُ لِلّٰهِ، وَإِنَّمَا خَفَّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى قَوْمٍ حَاسَبُوا أَنْفُسَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَإِنَّمَا شَقَّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى قَوْمٍ أَخَذُوا هَذَا الْأَمْرَ عَنْ غَيْرِ مُحَاسَبَةٍ (مصنف ابن أبي شيبة، ج:١٣، ص:٥٠٣)

یعنی مؤمن اپنے نفس پر نگہبان ہوتا ہے، وہ اللہ کے لیے اپنا محاسبہ کرتا ہے، قیامت کے دن اُنہی لوگوں کا حساب آسان ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا ہوگا، اور جنہوں نے دنیا کے معاملات بغیر کسی محاسبہ کے کیے، ان پر قیامت کے دن حساب سخت ہوگا۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نفس کا محاسبہ صرف گناہ کے وقت، کسی مصیبت کے نازل ہونے پر یا کسی دینی مجلس میں ہونا چاہیے، اور خوشی و راحت کے وقت وہ اس سے غافل رہتے ہیں۔

اسی طرح کچھ لوگ محاسبہ یوں کرتے ہیں کہ صرف خود کو ملامت کرتے ہیں کہ وہ گناہ گار ہیں، مگر اپنے حالات کو بدلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

یہ دونوں رویّے غلط ہیں۔ محاسبہ ہر حالت میں اور ہر وقت ہونا چاہیے، اور اس محاسبہ کا نتیجہ عمل اور اصلاح کی صورت میں نکلنا چاہیے۔

مثال کے طور پر انسان شام کو اپنے دن کا محاسبہ یوں کرے:

میں نے آج کتنی نمازیں ادا کیں؟

کتنی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں؟

کتنے نوافل پڑھے؟

کتنا ذکر کیا؟

کتنا قرآنِ پاک کی تلاوت کی یا دیگر نیک اعمال کیے؟

اسی طرح گناہوں کے بارے میں بھی خود سے پوچھے:

میں نے کن نافرمانیوں کا ارتکاب کیا؟

دین کے مطابق میری زندگی کس حد تک چل رہی ہے؟

کتنی بار میں نے غیبت کی؟

کتنی بار مسلمانوں کو تکلیف دی؟

کتنی بار میں نے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچایا؟

اگر انسان اپنے نفس کا ایسا محاسبہ روزانہ کرنے لگے، تو ان شاءاللہ وہ گناہوں سے بچا رہے گا، اور اس کے اعمال شریعت کے مطابق سنور جائیں گے۔

قبر کا عذاب کن لوگوں کو دیا جاتا ہے؟

قبر، آخرت کے مراحل میں سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ اگر کوئی اس میں کامیاب ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہے، اور اگر (نعوذ باللہ) ناکام ہو جائے تو ہمیشہ کے لیے ناکام ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أنه إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرٍ بَكَى حَتَّى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ. فَقِيلَ لَهُ: تَذْكُرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلاَ تَبْكِي، وَتَبْكِي مِنْ هَذَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا

بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ». قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ- صلى الله عليه وسلم - :«مَا رَأَيْتُ مَنْظَراً قَطُّ إِلاَّ وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ».(رواه الترمذی ص: ٥٧ج: ٢ و ابن ماجة و قال الترمذی هذاحدیث غریب،مشکات:٢٦ ج:١)

ترجمہ: حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ جب آپ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا: آپ جنت و جہنم کو یاد کرتے ہیں تو اتنا نہیں روتے، لیکن قبر کو یاد کر کے اتنا زیادہ کیوں روتے ہیں؟

تو حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - نے فرمایا کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے ارشاد فرمایا: قبر، آخرت کے منازل میں سب سے پہلا منزل ہے، اگر کوئی اس سے نجات پا جائے تو اس کے بعد کے مراحل آسان ہوں گے، اور اگر اس سے نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد کے مراحل اس سے کہیں زیادہ سخت ہوں گے۔"

اور حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - نے فرمایا کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: میں نے کبھی کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو قبر سے زیادہ ہولناک ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا؟ اور کون سے اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے قبر میں عذاب ہوتا ہے؟

ایسے کئی اعمال ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کو قبر میں عذاب دیتا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے کچھ کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ ہم ان سے بچ سکیں اور خود کو عذابِ قبر کا مستحق نہ بنائیں:

وہ اعمال جن کی وجہ سے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے:

۱. کفر اور شرک
۲. چغلی کرنا
۳. غیبت کرنا
۴. پیشاب سے بچاؤ نہ کرنا
۵. جھوٹ بول کر لوگوں میں مشہور ہونا
۶. رات کو قرآن مجید چھوڑ کر سونا اور دن میں اس پر عمل نہ کرنا
۷. زنا
۸. سود کھانا
۹. مہمان کا حق نہ دینا
۱۰. غنیمت یا بیت المال میں خیانت کرنا
۱۱. بغیر وضو کے نماز پڑھنا
۱۲. مظلوم کی مدد نہ کرنا
۱۳. مردوں کا وہ زیب وزینت اختیار کرنا جو ان کے لیے جائز نہیں
۱۴. عورتوں کا وہ زیب وزینت اختیار کرنا جو ان کے لیے جائز نہیں
۱۵. قومِ لوط کا عمل (یعنی لواطت)

١٦. حرام کھانا

١٧. یتیموں کا مال کھانا

١٨. نماز چھوڑنا

١٩. زکوٰۃ ادا نہ کرنا

٢٠. وہ شوہر جو اپنی بیوی کو بدکاری کی اجازت دے، اور وہ بیوی جو اپنے شوہر کو اس کی اجازت دے

٢١. وہ خطباء جو لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنے کے لیے تقاریر کرتے ہیں

٢٢. لوگوں کی عزتوں پر حملہ کرنا

٢٣. صحابہ کرام کو برا کہنا

٢٤. بے عمل باتیں کرنا

٢٥. روزہ وقت سے پہلے توڑ دینا

٢٦. وہ عورت جو بلاوجہ اپنے بچے کو دودھ سے محروم کرے

٢٧. شراب پینا (اس میں دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال بھی شامل ہے)

٢٨. چوری

٢٩. غلط عقیدہ رکھنا

٣٠. کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا

یہ تمام گناہ ان روایات میں مذکور ہیں جنہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شرح الصدور" (ص ٦٦-٧٦) میں ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان برے اعمال سے بچ سکیں اور اس کے عذاب کے مستحق نہ بنیں۔ آمین

قبر کے عذاب سے نجات کے اسباب

ہر انسان کو قبر کی طرف جانا ہے، اور یہ ایک نہایت سخت مقام ہے۔ تنہائی اور کیڑوں کا گھر، اعمال کا صندوق، جہاں انسان کے اپنے عمل کے سوا کچھ بھی کام نہیں آتا۔

قبر کی سختیوں اور عذاب سے نجات کے لیے قرآن کریم اور احادیث میں چند ایسے اعمال کا تذکرہ آیا ہے، جنہیں اپنا کر انسان ان مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ان اعمال میں سے چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں، تاکہ ہم ان پر عمل کر کے ہمیشہ کی کامیابی اور سعادت حاصل کر سکیں:

ا۔ قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا:

یعنی دعائیں کرنا۔ نبی کریم - ﷺ - خود بھی قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے اور صحابۂ کرام اور پوری امت کو بھی اس کا حکم فرمایا:

"تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ" (صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۸۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے قبر کے عذاب سے پناہ مانگو!

۲۔شہادت:

اللہ- سبحانہ وتعالیٰ- شہید کو قبر کے عذاب سے نجات عطا فرماتا ہے۔

عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِى كَرِبَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ (رواه الترمذی وابن ماجة\مشكاة المصابيح ص: ۳۳۳ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت مقداد بن معدی کرب - رضی اللہ عنہ -سے روایت ہے، نبی کریم- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -نے فرمایا:

"اللہ کے ہاں شہید کو چھ فضیلتیں ملتی ہیں:

(۱) پہلی ہی خون کی بوند پر اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں،

(۲) جنت میں اس کا مقام اسے دکھا دیا جاتا ہے،

(۳) قبر کے عذاب سے محفوظ ہوتا ہے،

(۴) قیامت کے بڑے خوف سے امن میں ہوتا ہے،

(۵) اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا ومافیہا سے بہتر ہوتا ہے،

(٦) اس کا نکاح حورِ عین میں سے ۷۲ بیویوں سے کیا جاتا ہے،

(۷) اور وہ اپنے ۷۰ رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔"

۳۔ راہِ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے موت آنا:

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي يَمُوتُ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ يُنَمَّى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ (رواہ الترمذی ص: ۲۹۱ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے، رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: ہر مرنے والے کا عمل ختم کر دیا جاتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے مرے۔ اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ ہوتا ہے۔"

۴۔ سورۂ ملک (تبارک الذی) کی تلاوت:

یہ سورت قبر کے عذاب سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔

حدیث میں ہے: هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ الترمذی\مشکات ص: ۱۸۸ ج: ۱)

ترجمہ: یہ (سورۃ) منع کرنے والی ہے، نجات دینے والی ہے، یہ پڑھنے والے کو قبر کے عذاب سے نجات دیتی ہے۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (رواہ أحمد والترمذی وأبو داود والنسائی وابن ماجہ\مشکات ص: ۱۷۸ ج: ۱)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے، نبی- ﷺ -
نے فرمایا: قرآن کی ایک سورت ہے جس میں ۳۰ آیات ہیں، اس نے
ایک شخص کے لیے شفاعت کی یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو گئی، اور وہ
سورت 'تبارک الذی بیدہ الملک' ہے۔"

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الم تَنْزِيلُ وَتَبَارَكَ الَّذِى بِيَدِهِ الْمُلْكُ (رواه أحمد والترمذی والدارمی وقال الترمذی: هذا حديث صحيح.\ مشكاة المصابيح ص: ۱۸۸ ج: ۱)

ترجمہ : حضرت جابر -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ نبی ﷺ
اس وقت تک نہیں سوتے جب تک کہ : الم تنزیل (یعنی سورۃ السجدۃ) اور
تبارک الذي بیدہ الملک (یعني سورۃ الملک) تلاوت نہ فرما لیتے۔"
لہٰذا ان دونوں سورتوں کی ہر رات تلاوت کرنی چاہیے۔

۵۔ موت کو کثرت سے یاد کرنا:

کیونکہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبر کی سختی سے
نجات دیتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِى ذٰلِكَ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّهُ يَقُولُ: وَ عِزَّتِي لَا أَجْمَعُ عَلَى عَبْدِى خَوْفَيْنِ وَ أَمْنَيْنِ إِذَا خَافَنِى فِى الدُّنْيَا أَمِنْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ إِذَا أَمِنَنِى فِى الدُّنْيَا أَخَفْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواه البيهقي في شعب الايمان ص: ۴۸۳ ج: ۱ وابن حبان في صحيحه ص: ۴۰۶ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے، نبی کریم - ﷺ - نے اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

" مجھے اپنی عزت کی قسم، میں اپنے بندے پر دو خوف یا دو امن جمع نہیں کرتا۔ اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا رہا تو قیامت کے دن میں اسے امن دوں گا، اور اگر دنیا میں بے خوف رہا تو قیامت کے دن میں اسے ڈراؤں گا۔"

یعنی آخرت کا ڈر، قبر اور قیامت کے عذاب سے نجات کا راستہ ہے۔

٦۔ صدقہ وخیرات:

حضرت عقبہ بن عامر - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے، نبی کریم - ﷺ - نے فرمایا: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِيءُ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ الْقُبُوْرِ، وَإِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیهقی، الترغیب والترہیب للمنذری ص:١٠ ج:٢)

ترجمہ :"صدقہ اپنے صاحب پر قبر کی گرمی کو بجھاتا ہے، اور مومن قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایے میں ہوگا۔"

٧۔ کاروبار میں آسانی کرنا:

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-: إِنَّ رَجُلاً كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ ؟ قَالَ: مَا أَعْلَمُ. قِيلَ لَهُ اُنْظُرْ قَالَ: مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ (متفق علیہ

)وفی روایۃ لِمُسْلِم نحوہ عن عقبۃ بن عامر وأبی مسعود الأنصاری "فَقَالَ اللّٰہُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْکَ تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِی. (مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۳ ج:۱)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے ایک شخص تھا، جب اس کے پاس فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو اس سے کہا گیا: کیا تم نے کوئی نیکی کا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے کوئی نیکی یاد نہیں۔ پھر اس سے کہا گیا: ذرا غور کرو۔ اس نے کہا: مجھے کچھ خاص یاد نہیں، سوائے اس کے کہ میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا، اور مالدار کو مہلت دیتا، اور تنگدست کو معاف کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل فرمادیا (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں عقبہ بن عامر اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما سے اسی مفہوم کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں اس سے زیادہ حق دار ہوں کہ (اپنے بندے پر رحم کروں)، پس تم میرے بندے کو معاف کر دو۔

۸: گناہوں سے توبہ کرنا

قبر کے عذاب سے نجات کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب گناہوں سے سچی توبہ ہے۔

۹: مسلمان کی جنازہ نماز پڑھنا

جنازہ اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش ہے کہ:

"یااللہ! اس مردے کو بخش دے!"

افسوس کہ اکثر لوگوں کو اس حقیقت کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم اللہ کے حضور سفارش کرنے کھڑے ہیں۔

ہماری غفلت اور آخرت سے بے خبری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ایک مردے کو دفن کیا جا رہا ہوتا ہے، لوگ قبر کے کنارے بیٹھ کر دنیاوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایسے لمحے میں بھی ہماری توجہ موت اور آخرت کی طرف نہیں جاتی۔

۱۰: جو شخص جمعہ کے دن یا رات وفات پائے

اس کے لیے قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَمُوتُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ أَوْ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ إِلَّا وَقَاہُ اللّٰہُ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ (رواہ احمد ص: ۱۴۷ ج: ۱۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو –رضي اللہ عنہ– سے روایت ہے کہ رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– نے فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات وفات پائے، اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے۔"

۱۱: جو شخص پیٹ کے درد کی وجہ سے مرے

اسے قبر کا عذاب نہیں دیا جاتا۔

حدیث شریف میں ہے: مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهِ (مسند احمد ص: ۲۶۲ ج: ۴، صحیح ابن حبان ص: ۱۹۵ ج: ۷)

ترجمہ: "جس شخص کو پیٹ کے درد نے مارا، وہ قبر میں عذاب سے محفوظ رہے گا۔"

۱۲: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا:

حضرت معاذ بن جبل -رضي الله عنه- فرماتے ہیں: مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ. (رواه مالك والترمذی وابن ماجه، مشكاة المصابيح ص: ۱۹۹ ج ۱)

ترجمہ: بندے نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو اسے اللہ کے عذاب سے اتنا نجات دینے والا ہو جتنا اللہ کا ذکر ہے۔"

مزید اسباب:

قبر کے عذاب سے بچنے کے اور بھی اسباب احادیث میں بیان ہوئے ہیں، جیسے: تکلیفوں پر صبر کرنا اور ان پر ثواب کی نیت رکھنا،

نزع کی سختی: اس سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں،

مسلمانوں کی دعائیں اور استغفار،

اولاد کی طرف سے والدین کے لیے خیرات کرنا،

ہمیشہ باوضو رہنا،

اللہ تعالیٰ کی رحمت،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت،

فرشتوں کی دعائیں اور مؤمنین کے لیے استغفار،

مؤمنوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت۔

آخر میں:

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد وسیع ہے۔ بعض اوقات بڑے بڑے گناہوں کے باوجود بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخش دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو ہمیں قبر کی سختیوں سے بچا سکیں۔ آمین۔

شیطان انسان کو اللہ کے راستے سے کیسے ہٹاتا ہے؟

شیطان انسان کا اصل دشمن ہے، ایسا خطرناک دشمن جو انسان کا دین برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کرے، اور اُس کے دل میں اللہ کے خلاف دشمنی پیدا کرے، تاکہ وہ بھی اُسی کی طرح ہمیشہ کے لیے عذاب میں گرفتار ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شیطان کے پاس بہت زیادہ تجربہ اور علم ہے۔

اگر ایک انسان پچاس سال تک کوئی کام کرے، تو اُسے اُس کام کے ظاہر و باطن تمام پہلوؤں کی مکمل واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ابلیس – علیہ اللعنۃ – جس دن سے اللہ تعالیٰ نے اُسے لعنتی قرار دیا ہے، اُس دن سے اُس کا کوئی اور مشغلہ نہیں، سوائے انسانوں کو گمراہ کرنے کے۔ اس طویل مدت میں اُس نے انسانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کے بے شمار طریقے سیکھ لیے ہیں۔

اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اور وہ تمام تدابیر اختیار کرتا ہے جن کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹایا جا سکے، اور اُنہیں نافرمانیوں میں مبتلاء کیا جا سکے۔

شیطان کے تقریباً دس بڑے جال ایسے ہیں جن کے ذریعے وہ انسان کو اللہ کے راستے سے پھیرتا ہے، اور اُسے اپنی مکاریوں میں پھنسا لیتا ہے۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شیطان انسان کو کفر و شرک میں مبتلاء کرنا چاہتا ہے

اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو اُس کی دشمنی ٹھنڈی ہو جاتی ہے، کیونکہ اُس کا اصل مقصد پورا ہو چکا ہوتا ہے۔

پھر اگر وہ انسان لاکھ اچھے اعمال بھی کرے، تب بھی اُن کا اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ اُس کے عبادات کو قبول نہیں فرماتا۔

بس وہ دنیا میں تھک تھک کر عمل کرتا رہے گا، لیکن اللہ کے دربار میں وہ اعمال قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا (الفرقان: ۲۳)

ترجمہ: ”اور ہم اُن کے سارے اعمال کی طرف متوجہ ہوئے، اور اُنہیں غبار کی طرح اُڑا دیا۔“

یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق ہے جو دنیا میں بظاہر نیکیاں کرتے ہیں، خیرات دیتے ہیں، عبادات میں مشغول رہتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کفر اور شرک میں مبتلاء ہوتے ہیں، اس لیے اُن کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، اور قیامت کے دن اُنہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

۲۔ شیطان انسان کو شرکِ اصغر (ریا کاری) میں مبتلاء کرتا ہے

شیطان کوشش کرتا ہے کہ بندے کی نیت کو خراب کرے، اُس کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ لوگ اُسے عبادت کرتے دیکھیں اور اُس کی تعریف کریں۔

چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز پڑھتا ہے، لیکن تنہائی میں جلدی کرتا ہے۔

کبھی عبادت خفیہ کرتا ہے، مگر بعد میں لوگوں کو بتاتا ہے کہ میں یہ عبادت کرتا ہوں۔

اگر شیطان اِس چال میں کامیاب ہو جائے، تو وہ انسان کا عمل ضائع کر دیتا ہے اور اُسے گناہگار بنا دیتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ.(رواہ مسلم ص:۴۱۱ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ -- رضی اللہ عنہ -- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -- ﷺ -- نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے، تو میں اُسے اور اُس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

یعنی ایسا شخص قیامت کے دن اللہ سے اجر کا اُمیدوار نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُس نے اخلاص کے بجائے دکھاوا کیا۔

ایسا شخص حقیقت میں نہ اللہ پر صحیح ایمان رکھتا ہے، نہ قیامت پر، اور نہ حساب کتاب پر۔

اگر واقعی ایمان ہوتا تو وہ مخلوق کی تعریف کی پروا نہ کرتا، کیونکہ مخلوق خود بھی محتاج ہے، اُس کی تعریف یا مذمت انسان کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

۳۔ شیطان بندے کو عبادت پر مغرور کرتا ہے

وہ انسان کے دل میں یہ سوچ ڈالتا ہے کہ میں تو بہت نیک ہوں، بہت عبادتیں کرتا ہوں، جنت تو بس میری ہے، باقی سب لوگ گناہگار ہیں۔

حالانکہ مومن کا وصف یہ ہے کہ وہ جتنی بھی عبادت کرے، پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں میرا عمل ناقبول نہ ہو۔

علماء نے فرمایا: "إِنَّ فِي العِبَادَاتِ آفَاتٍ مَا لَا تَحْتَاجُونَ مَعَهَا إِلَى المَعَاصِي."

ترجمہ: ''عبادتوں میں ایسی آفتیں موجود ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے گناہوں کی ضرورت بھی نہیں پڑتی (یعنی وہی آفتیں عذاب کے لیے کافی ہیں)۔''

کیونکہ عبادت میں اکثر اخلاص کی کمی، سنت کی مخالفت، اللہ کی طرف توجہ کی کمی، اور عاجزی کی کمی پائی جاتی ہے۔

یہ تمام نقصانات عبادت کو ناقص کر دیتے ہیں، اور بندہ اللہ کا حق ادا نہیں کر پاتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (الذاریات:۱۸)

ترجمہ: ''اور وہ سحری کے وقت اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں۔''

یعنی عبادت کے باوجود وہ مغرور نہیں ہوتے، بلکہ اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرتے ہیں۔

۴۔ شیطان انسان کے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا کرتا ہے

ایسا غرور اُس پر غالب آجاتا ہے کہ اگر اُسے اپنی غلطی صاف نظر بھی آجائے، پھر بھی وہ حق کو قبول نہیں کرتا۔

تکبر اُس کے لیے حجاب بن جاتا ہے، اور وہ اپنی رائے پر اڑا رہتا ہے۔

آج کے زمانے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مولوی غلط عقائد اور نظریات پر قائم ہیں، حالانکہ اُنہیں معلوم ہے کہ اُن کی بات

شریعت کے خلاف ہے، مگر تکبر کی وجہ سے وہ رجوع نہیں کرتے۔

ہمارے اکابر علماء ــ رحمهم الله ــ کا طریقہ یہ تھا کہ جب حق ملتا تو اُسے فوراً قبول کرتے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ــ رحمہ الله ــ نے فرمایا: "**تعلّمتُ نُسُكَ الحلقِ من الحلاقِ**" (وقاية الإنسان، ص:١٩٩)

ترجمہ: ”میں نے حلق کرنے کا طریقہ نائی سے سیکھا۔“

یعنی علم میں بھی تکبر نہیں کیا، بلکہ ہر ایک سے سیکھنے کا جذبہ رکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ « لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ « إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ. (رواه مسلم ص: ٦٥ ج:١)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ــ رضی اللہ عنہ ــ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ــ صلی اللہ علیہ وسلم ــ نے فرمایا: ”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رتی برابر بھی تکبر ہو۔“

ایک آدمی نے عرض کیا: ”آدمی یہ چاہتا ہے کہ اُس کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتے اچھے ہوں (کیا یہ بھی تکبر ہے؟)“

آپ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق بات کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔"

یعنی جس میں یہ دو صفات ہوں: ایک یہ کہ وہ حق کو نہ مانے، اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو حقیر سمجھے، وہ تکبر کرنے والا ہے۔

اور جس میں رتی برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت سے محروم ہو جائے گا۔ تو ایسے شخص کے بارے میں شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا— العیاذ باللہ— جو تکبر اور غرور کی وجہ سے حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

۵: شیطان کی ایک کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ بندے کو ایسے عبادت میں مصروف کر دے، جس کا اللہ تعالیٰ نے نہ حکم دیا ہو، نہ نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - سے اس کا ثبوت ہو، نہ صحابۂ کرام سے اس کی کوئی روایت ہو، اور نہ ہی مجتہدین کے اجتہاد میں اس کا کوئی ذکر ہو۔ پس اگرچہ وہ بندہ عبادت کر رہا ہوتا ہے، لیکن وہ عبادت اللہ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ وہ محنت کرتا ہے، تھکتا ہے، لیکن نہ صرف یہ کہ اس عبادت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس پر گناہ بھی لکھا جاتا ہے۔

۶: شیطان یہ کوشش کرتا ہے کہ بندے کو کبیرہ گناہوں میں مبتلاء کر دے۔ اور جب اس میں کامیاب ہو جائے، تو ان گناہوں کو اس کے سامنے چھوٹا بنا کر پیش کرتا ہے، امیدوں کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے، اور کہتا ہے: "ابھی تو تم جوان ہو! بعد میں توبہ کر لینا، ابھی دل کی سنو، جو چاہو کرو، بعد میں توبہ کر لینا!" حالانکہ موت کو نہ وقت کا علم ہے، نہ نمبر ہے، نہ وہ بڑے چھوٹے میں تمیز کرتی ہے۔ موت اچانک آتی ہے اور حسرتیں ادھوری چھوڑ جاتی ہے۔ پس ہوشیار وہی ہے جو موت کے لیے تیار ہو جائے اور دنیا کے فانی دھوکے میں نہ آئے۔

۷: شیطان کی ایک اور چال یہ ہے کہ انسان کو صغیرہ گناہوں میں مبتلاء کر دے۔ اور کہتا ہے: "یہ تو کوئی بڑا گناہ نہیں، تم نے کبیرہ گناہوں سے تو خود کو بچایا ہوا ہے، یہ تو وضو اور نماز سے ہی معاف ہو جائے گا!" حتیٰ کہ بندے کو اس حد تک لے جاتا ہے کہ ایک کبیرہ گناہ کرنے والا (جو اللہ سے ڈرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے) اس سے بہتر ہو جاتا ہے، کیونکہ کبیرہ گناہ بھی توبہ سے مٹ جاتا ہے، لیکن صغیرہ گناہ اگر مسلسل ہوتے رہیں، تو وہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناراضگی کا باعث ہے۔

۸: شیطان کی ایک اور چال یہ ہے کہ بندے کو مباح (جائز مگر بے فائدہ) کاموں میں مصروف کر دے، تاکہ اس

کا قیمتی وقت ضائع ہو جائے اور وہ عبادات سے دور ہو جائے۔ یوں اس کا دن رات بے کار گزرتا ہے اور عبادت کی جو گھڑیاں تھیں، وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہیں۔ کیونکہ جو دن تم پر گزر گیا، وہ قیامت تک واپس نہیں آئے گا۔

۹: شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ بندے کو ایسے عبادات میں مشغول رکھے جن کا ثواب کم ہو۔ اس طرح وہ اسے افضل عبادات سے ہٹا کر ایسے اعمال میں لگا دیتا ہے، جن میں اگرچہ ثواب ہے، مگر وہ کم تر درجے کا ہے۔

۱۰: اگر کوئی مؤمن ان تمام جالوں سے بچ نکلے اور شیطان اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو جائے، تو پھر اس پر آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ ان حالات میں شیطان موقع تلاش کرتا ہے کہ اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکلوالے جس سے اللہ ناراض ہو جائے، یا وہ صبر کھو بیٹھے، یا عبادت سے دور ہو جائے۔ پس ان حالات میں مؤمن کو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنی چاہیے، صبر اور استقامت کی راہ اپنانی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **الٓمٓ، أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ** (العنکبوت:۱-۳)

ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ صرف یہ کہہ دینے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟

حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا، تاکہ اللہ ان لوگوں کو ظاہر کرے جو سچے ہیں، اور جھوٹوں کو بھی ظاہر کرے۔"

یعنی صرف دعویٰ کرنا کافی نہیں کہ ہم مسلمان ہیں، بلکہ اس دعوے کے ساتھ ساتھ آزمائشیں، مصیبتیں اور مشکلات ضرور آئیں گی، تاکہ یہ جانچا جا سکے کہ تم اپنے ایمان میں سچے ہو یا جھوٹے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ بہار کے موسم میں ہر درخت سبز ہوتا ہے، ہر پودا تروتازہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب سردی کا موسم آتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ صبر کے درخت کون سے ہیں، باقی سب کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ بہار میں فرق معلوم نہیں ہوتا، مگر سردی میں پہچان ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خوشی اور راحت کے وقت مخلص اور منافق میں فرق نہیں ہوتا، لیکن جب آزمائشیں آتی ہیں، تکلیفیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، تب مخلص اور منافق الگ ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ان حالات میں دین پر ثابت قدم رہے، وہی سچا مؤمن ہے۔

یہ ہیں شیطان کے وہ دام، جن میں وہ انسان کو پھنسا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس بڑے اور خطرناک دشمن سے محفوظ رکھے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت

دنیا کی تاریخ میں لاکھوں مشہور و معروف شخصیات پیدا ہوئیں، جنہوں نے اپنے وقت میں انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

ان میں حکماء، فلاسفہ، فاتحین، بادشاہ، خطباء، شعراء، دولت مند اور خوبصورتی کے مالک شامل تھے۔

بعض تو ایسے بھی گزرے جن کو سجدے کیے گئے اور انہوں نے خدائی کا دعویٰ تک کیا۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی زندگی پوری انسانیت کے لیے عملی نمونہ بن سکے۔

چاہے وہ سکندرِ اعظم ہو، نپولین ہو، یا یونان کے فلسفی سقراط، افلاطون اور ارسطو ہوں، یا فرعون، قارون اور ہامان — ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کی ہر ادا کی پیروی کی جا سکے اور جسے انسان اپنا کامل پیشوا اور مقتدا مان سکیں۔

یہ اپنی اپنی جگہ مشہور ضرور تھے، مگر انسانیت کے لیے عملی نمونہ نہیں بن سکے۔

اور یہ بات ہر عقل مند انسان مانے گا کہ جہاں بھی دنیا میں نیکی کی روشنی ہے، اخلاق کی خوشبو ہے، دلوں کی صفائی ہے — وہ نہ فلسفہ کی فکر سے پیدا ہوئی ہے، نہ شاعری سے، اور نہ سکندر و رستم کی فتوحات سے۔

بلکہ یہ ان پاکیزہ ہستیوں کی تعلیمات اور دعوت کا نتیجہ ہے جنہیں "انبیاء علیہم السلام" کہا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی حکومت جسموں پر نہیں تھی، دلوں پر تھی۔

اسی لیے ماضی کے بڑے بڑے بادشاہوں کا نام و نشان بھی نہیں، مگر نبی کریم ﷺ کی حکومت آج بھی قائم ہے، اور آپ کے ارشادات دنیا کے ہر گوشے میں آج بھی نافذ العمل ہیں۔

دنیا شاعروں، فلاسفہ اور حکماء کے بغیر چل سکتی ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے بغیر نہیں۔

پس، نبوت انسانیت کی سب سے پہلی اور بنیادی ضرورت ہے۔

اسی کی روشنی سے جہالت کے اندھیرے چھٹتے ہیں، مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، اور اخلاقی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے
کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اللہ کی عبادت کریں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
اگر اللہ تعالیٰ پیغمبر نہ بھیجتا تو عقل رکھنے والوں پر لازم ہوتا کہ وہ اپنی عقل" سے اللہ کو پہچانیں (اصول الشاشي ص: ۳۴)

لیکن انسانوں کی عقلیں ناقص تھیں، وہ اللہ کی معرفت، اس کے حقوق اور نافرمانی کی سزائیں اپنی عقل سے نہیں سمجھ سکتے تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا اور ان کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے۔

انبیاء علیہم السلام وہ ہستیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے کامل انسان ہوتے تھے — ان کا اخلاق بھی سب سے اعلیٰ ہوتا اور صورت بھی، اور سب سے زیادہ عزت والے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نہیں بھیجا کیونکہ وہ نہ تھکتے ہیں، نہ کھاتے پیتے ہیں، نہ دنیاوی مشقتوں سے گزرتے ہیں۔ نہ ہی کسی اور مخلوق کو بھیجا کہ جس کی اطاعت انسانوں کے لیے دشوار ہوتی۔

بلکہ انسانوں ہی کو پیغمبر بنایا تاکہ انسانوں کے لیے ان کی پیروی آسان ہو۔

پیغمبر کھاتے پیتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، ان کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے—اور ان تمام بشری صفات کے باوجود وہ اخلاق و کمال میں سب سے اعلیٰ تھے۔

آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی انبیاء میں سے ایک انسان تھے، اور بشری صفات میں باقی انبیاء جیسے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: کہہ دیجیے! میں تو تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے... تمہارا رب ایک ہی رب ہے، لہٰذا جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو، وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی انسان تھے جیسے کہ باقی انبیاء۔

لیکن نبی کریم ﷺ مطلق طور پر سب سے زیادہ کامل تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات آپ میں جمع فرما دیے جو کسی اور میں نہ تھے۔

آپ ﷺ نے انسانیت کو دین مکمل طور پر پہنچایا، اعلیٰ اخلاق کی عملی رہنمائی فرمائی، اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں واضح فرمائیں۔

اب انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سنت اور اقوال کی پیروی کریں تاکہ ہمیشہ کی کامیابی اور سعادت حاصل کر سکیں۔

نبی کریم ﷺ کیسی حالت میں تشریف لائے؟

جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے اسلام کے عظیم رہنماء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا، اس وقت زمین کے باشندے دینی و عقیدتی اعتبار سے دو بڑے گروہوں میں تقسیم تھے

(۱) اہلِ کتاب

(یعنی وہ لوگ جو کسی آسمانی کتاب کی طرف نسبت رکھتے تھے)

(۲) زنادقہ

(یعنی وہ کفّار جن کا کوئی تعلق آسمانی کتاب سے نہ تھا)

ان دونوں گروہوں میں اہلِ کتاب، زنادقہ سے کچھ بہتر تھے۔
لیکن خود اہلِ کتاب بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے

(۱)مغضوب علیھم:

(یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا تھا)

(۲)ضالین:

(یعنی وہ لوگ جو حق کے راستے سے بھٹک چکے تھے)

اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہونے والا گروہ یہودی تھا۔
ان میں درج ذیل خرابیاں پوری شدت سے پائی جاتی تھیں :

(۱) جھوٹ بولنا

(۲) بہتان تراشی، معصوموں پر ناحق الزام لگانا

(۳)فریب و دھوکہ دینا، ناجائز امور کو جائز قرار دینے کے لیے حیلے بہانے بنانا

(۴)انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ظلم ہے

(۵) حرام خوری، خاص طور پر رشوت اور سود لینا

(۶) دشمنی اور عناد میں حد سے گزر جانا

(۷) حسد اور کینہ پروری

ان میں تقریباً ہر طرح کی اخلاقی برائیاں موجود تھیں۔ وہ اللہ کے رحم و کرم سے بہت دُور اور اس کے غضب کے قریب بلکہ اس میں مبتلاء تھے۔

ان میں جادو گری اور سفلی عمل عام تھا۔

یہ لوگ حق کو پہچاننے کے باوجود، ضد اور عناد کی وجہ سے قبول نہ کرتے تھے، کیونکہ ان کے دلوں میں خباثت، تکبر اور خود پسندی کا زہر بھرا ہوا تھا۔

وہ کہتے: ہم علم والے ہیں، انبیاء کی اولاد ہیں، ہم دوسروں کی بات کیسے مان سکتے ہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ ہم نادان ہیں اور کوئی دوسرا ہمیں سکھا رہا ہے اسی لیے وہ حق کی طرف آنے کو تیار نہ تھے۔ "

اہلِ کتاب کا دوسرا گروہ ضالین کہلاتا تھا، یعنی وہ لوگ جو راہِ حق سے گمراہ ہو چکے تھے۔

یہ تثلیث کے قائل تھے، صلیب کی پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے تھے —— ایسی گستاخیاں جن کی نظیر نہیں ملتی۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے منکر تھے، اور اللہ کے متعلق حدود سے تجاوز کر چکے تھے۔

وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے :

اللہ تین خداؤں میں سے ایک ہے، مریم علیہا السلام اس " (العیاذ باللہ) کی بیوی ہیں، عیسیٰ اس کے بیٹے ہیں، اور اللہ اپنی کرسی سے اُتر کر اپنی بیوی کے رحم میں گیا، دنیا میں آیا، قتل ہوا، دفن ہوا، تین دن بعد زندہ ہوا اور آسمان پر چلا گیا!!

یہ دین صلیب کی عبادت، شراب نوشی، خنزیر کا گوشت کھانے، ختنہ نہ کرنے (بلکہ اسے حرام سمجھنے) اور کئی دوسرے حرام اور گندے کاموں کو حلال سمجھنے پر مشتمل تھا۔
وہ صرف اس چیز کو حلال سمجھتے تھے جسے ان کا پادری حلال کہے اور جسے وہ حرام کہے، اُسے حرام سمجھتے۔
ان کے نزدیک دین وہ ہے جسے پاپ کہے، وہی ان کے گناہ معاف کرتا ہے اور جہنم سے نجات دلاتا ہے۔

(ان کے متعلق مزید تفصیلات ہماری کتاب : عیسیٰ علیہ السلام اسلام اور عیسائیت میں، ملاحظہ کی جا سکتی ہیں)

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جن کے پاس آسمانی کتاب موجود تھی، اور جو اپنے وقت کے مذہبی پیشوا کہلاتے تھے اور خود کو جنت کے واحد حق دار سمجھتے تھے۔
ان کے علاوہ باقی اقوام، جیسے مجوسی وغیرہ، جن کی کوئی نسبت آسمانی کتاب کی طرف نہ تھی — ان کا حال ان سے بھی زیادہ خراب تھا۔

ان میں ماں اور بہن سے نکاح جیسے قبیح افعال عام تھے۔
کچھ لوگ آگ اور روشنی کی پوجا کرتے تھے، کچھ مخلوقات کی عبادت کرتے تھے۔
ان میں شرک، انبیاء کو جھٹلانا، آسمانی شریعت سے انکار، قیامت اور دوبارہ زندگی کا انکار، اور دیگر کئی بڑے بڑے گناہ اور گندی خصلتیں عام تھیں۔

اسی دور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَإِنَّ اللَّهَ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ (مسلم ص: ۳۸۵ ج: ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا، تو اُن سب سے ناراض ہوا — خواہ وہ عرب ہوں یا عجم — سوائے چند باقی ماندہ اہلِ کتاب کے، جو اپنے دین پر قائم تھے۔

تو ایسے ہی اندھیرے حالات میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر عظیم احسان فرمایا کہ اپنے آخری اور پاک نبی ﷺ کو دنیا میں بھیجا، جن کے وجودِ مبارک سے زمین منور ہو گئی۔
آپ ﷺ نے ہر باطل عقیدہ، فاسد رسم اور غلط کام کا رد فرمایا اور اس کی جگہ ایک ایسا کامل دین لے کر آئے جو قیامت تک انسانیت کے لیے کامیابی اور سعادت کی ضمانت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا انسانیت کی تاریخ کا سب سے عظیم، خوش کن اور مبارک واقعہ تھا۔ اس جیسا کوئی دوسرا واقعہ روئے زمین پر نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بہت بڑا احسان کیا، کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول - ﷺ - کو بھیجا، جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے — حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیتِ مبارکہ میں نبی کریم - ﷺ - کی بعثت کے چار عظیم فائدے ذکر کیے گئے، جن میں سے صرف ایک فائدہ بھی پوری دنیا سے قیمتی ہے۔

اسی آیت میں بعثت سے پہلے انسانوں کی گمراہی کا حال بھی بیان کیا گیا کہ وہ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے، نہ اللہ کو پہچانتے تھے اور نہ بندوں کے حقوق جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، بھوک کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کرتے، اور شرم کے مارے بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے۔

تو نبی کریم - ﷺ - کی آمد مومنین پر اللہ کا عظیم احسان ہے، جن کے ذریعے اللہ تعالی نے انسانیت کو ظلمت سے نکال کر ہدایت کی روشنی دکھائی۔
لہذا اس نعمت کا شکریہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں گزاریں—ان کی سنت کو اپنائیں، اپنے طور طریقے، لباس، نشست و برخاست، ہر معاملہ نبی ﷺ کے اسوہ کے مطابق بنائیں۔

یہی نبی کریم ﷺ کی آمد کا مقصد یہ ہے—کہ انسانیت آپ ﷺ کی اقتداء کرے تاکہ دائمی کامیابی حاصل ہو۔
ہمیں چاہیے کہ ہم ساری زندگی نبی ﷺ کی تعلیمات کو یاد رکھیں، نہ کہ صرف ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو۔

کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیمات زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ہیں اور ہر زمانے میں ان پر عمل لازم ہے۔
اگر ہم ایسا کریں گے، تو ان شاء اللہ ہمیں دائمی خوشی اور نجات حاصل ہوگی۔

دنیاوی عذاب سے محفوظ رہنے کے اسباب

جب گناہ کسی قوم یا معاشرے میں عام ہو جاتے ہیں تو مختلف قسم کے عذاب نازل ہوتے ہیں، جن کا نقصان صرف گناہ گاروں تک محدود نہیں رہتا بلکہ نیک و بد سب اس کی لپیٹ میں آجاتے یہ دنیاوی عذاب،

آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے، اور آخرت کا عذاب تو نہایت ہی سخت اور شدید ہے۔ دنیاوی اور اخروی عذاب کا تقابل کرنا ہی درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں : ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدة: ۲۱)

ترجمہ: اور ہم اُنہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب (دنیاوی سزا) کا مزہ ضرور چکھائیں گے، شاید کہ وہ (نافرمانی سے) باز آجائیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عذاب میں مبتلاء کریں گے تاکہ وہ اس کے طرف رجوع کریں اور کفر و گناہوں سے توبہ کریں۔ یہ ہلکا عذاب اُن پر آخرت کے بڑے عذاب (جہنم) سے پہلے نازل ہو گا۔

دنیاوی عذاب مختلف شکلوں میں ہوتا ہے جیسے: بیماریاں، قحط، بدحالی، ظالموں کا مسلط ہونا، ناامنی، باہمی اختلافات و جنگیں اور دیگر آزمائشیں و مصیبتیں، جو گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

ہم یہاں دنیاوی عذاب کی اقسام کا تفصیلی بیان نہیں کریں گے، بلکہ ان اسباب کو بیان کریں گے جن کے ذریعے انسان دنیاوی عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کوشش ہو گی کہ مختصر انداز میں لکھوں تاکہ بات طویل نہ ہو۔

یہ اسباب درج ذیل ہیں :

(۱) نبی کریم ﷺ کی موجودگی کسی مقام پر عذاب سے بچاؤ کا ایک بڑا سبب تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ﴾ (الأنفال: ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہ تھا جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار، اس کی حکمت ورحمت یہ نہیں چاہتی کہ وہ مشرکین کو اس حال میں عذاب دے کہ نبی ﷺ ان کے درمیان موجود ہوں۔ کیونکہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو رحمت ونعمت بنا کر بھیجا ہے، عذاب کی صورت میں نہیں، اور یہ عذاب کا نہ آنا نبی ﷺ کی عزت ومقام کی وجہ سے بھی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا اصول بھی یہی ہے کہ منکرین پر اس وقت عذاب نازل ہوتا ہے جب ان کے درمیان سے رسول اٹھا لیے جاتے ہیں۔

چنانچہ مشرکین نے مطالبہ بھی کیا تھا کہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا کوئی دردناک

عذاب لے آ، لیکن پھر بھی اُن پر عذاب نہ آیا کیونکہ نبی ﷺ ان کے درمیان موجود تھے، اور یہی ان کے لیے عذاب سے حفاظت کا سبب تھا۔

(۲) نبی ﷺ سے محبت :

لیکن سچی محبت عذاب کو روکنے والی ہوتی ہے۔ سچی محبت دل سے ہوتی ہے اور نبی ﷺ کے احکام و سنت کی پیروی کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔

محض زبانی دعویٰ کافی نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے محبت بھی عذاب سے مؤثر رکاوٹ ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ کی موجودگی کافروں کے درمیان عذاب سے مانع تھی، تو مؤمن کے دل میں آپ ﷺ کی سچی محبت کیوں عذاب سے رکاوٹ نہ ہوگی؟

(۳) اللہ کے عذاب سے بچنے کا مؤثر ذریعہ توبہ اور استغفار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ **(الأنفال: ۳۳)**

ترجمہ: اور اللہ اُنہیں اس حالت میں عذاب دینے والا نہیں جب وہ اُس سے مغفرت مانگتے ہیں۔

اگرچہ مشرکین نے ظاہراً عذاب کا مطالبہ کیا، مگر دل میں وہ اس سے ڈرتے تھے، اور اللہ سے استغفار بھی کرتے تھے، اس لیے اللہ

نے فرمایا کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں، اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے گا۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں : إن الله جعل فی هذه الأمة أمانين لا يزالون معصومين مجارين من قوارع العذاب ما داما بين أظهرهم: فأمان قبضه الله إليه، وأمان بقی فيكم، قوله: {وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} (تفسیر ابن کثیر ص: ۴۹ ج: ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس امت میں دو امان (حفاظت کے ذرائع) رکھے ہیں، جب تک یہ دونوں ان کے درمیان ہوں گے، وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے:

ایک امان اللہ نے اپنے پاس بلا لی (یعنی نبی ﷺ) اور دوسرا تمہارے درمیان باقی ہے (یعنی استغفار)، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا :وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ الآية !!

پس آج جب نبی ﷺ کا وجود ہمارے درمیان نہیں رہا، تو ہمیں استغفار کی طرف خاص توجہ دینی چاہیے، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔

۴ : ایمان

ایمان بھی عذاب سے بچاؤ کا ایک مؤثر سبب ہے۔

(۵) شکر : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ (النساء: ۱۴۷)

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ، تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ اور اللہ (تو) قدر دان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ، تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ تمہیں عذاب دے۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو محض ان کے کفر، ناشکری اور گناہوں کی وجہ سے عذاب دیتا ہے، ورنہ اُس کی ذات تو رحمت والی ہے، بندوں کو عذاب دینا اُس کا مقصود نہیں، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ بندے ایمان اور شکر کے راستے پر چلیں، تاکہ اُنہیں بخشش اور نجات نصیب ہو۔

اس لیے جو بھی نجات اور حفاظت چاہتا ہے، اُسے ایمان اور شکر کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ کرنا چاہیے۔

(٦) تضرع وعاجزی :

اللہ کے حضور گریہ وزاری کرنا عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ ہے، جیسا کہ مختلف آیات میں مذکور ہے : ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾ (المؤمنون:٧٦)

ترجمہ: ہم نے اُنہیں عذاب میں گرفتار کیا، مگر وہ نہ تو اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الأنعام : ٤٣)

ترجمہ: پس جب اُن پر ہمارا عذاب آیا، تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟ مگر ان کے دل سخت ہو گئے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ (الأعراف:٩٤)

ترجمہ: ہم نے جب بھی کسی بستی میں نبی بھیجا، تو وہاں کے لوگوں کو سختی و تنگی میں مبتلاء کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ عذاب کے دور میں تضرع وعاجزی کرنا ایک مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے، اور عذاب کا سبب یہ بھی بنتا ہے کہ لوگ عاجز نہیں ہوتے۔

(۷)دعائیں مانگنا

یہ بھی عذاب سے نجات کاایک عظیم ذریعہ ہے۔

اللہ جل جلالہ فرماتا ہے : قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۷)

ترجمہ) :اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)لوگوں سے فرمادیجیے !میرا رب تمہاری کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا اگرتمہاری دعائیں نہ ہوتیں!!

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگرتم مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع نہ کرتے،دُعاءنہ مانگتے، تواللہ تم پر رحم نہ کرتا،اور تم سے مصیبت و تکلیف کودور نہ فرماتا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دُعاء کے ذریعے عذاب کوہٹایاجاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (الآیۃ،المؤمن:٦٠)

ترجمہ :اپنے رب سے دُعاء مانگو، میں تمہاری دعائیں ضرور قبول کروں گا!!

اس آیت میں دُعاء کاحکم دیاگیاہےاورقبولیت کی خوشخبری سنائی گئی ہے(بشرط کہ اللہ کوپسند آجائے)۔

لہٰذا اگر انسان عذاب سے نجات کے لیے دُعاء مانگے تو قوی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دُعاء قبول فرمائے گا اور عذاب کو ٹال دے گا۔
پس، اس حوالے سے دُعاء ایک مؤثر اور طاقتور ذریعہ ہے۔

(۸) تقویٰ اور پرہیزگاری :

یہ بھی عذاب سے نجات کا ایک مؤثر اور اہم سبب ہے۔
جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو صرف متقی اور مؤمن لوگ بچا لیے گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (فصلت : ۱۸)**
ترجمہ :اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے!!

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی عذاب سے نجات کا سبب بنتا ہے۔

(۹) استقامت

(۱۰) طغیان سے بچنا

(۱۱) ظالموں کی طرف جھکنے سے بچنا

(۱۲)نماز کی پابندی کرنا

(۱۳)صبر

(۱۴)نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا

یہ آخری چھ اسباب سورہ ہود میں بیان ہوئے ہیں۔
سورۂ ہود کے آخر میں، جب مختلف قوموں کی تباہی اور ان پر عذاب کے واقعات ذکر ہوئے، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ چھ احکام دیے۔
یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان راہوں پر چل کر ہی عذاب سے بچا جا سکتا ہے۔

پہلا حکم: استقامت

استقامت عذاب کو دفع کرنے کا مؤثر سبب ہے، اور موجودہ وقت میں صحیح راستے پر ثابت قدم رہنا نہایت ضروری ہے۔

اللہ – جل جلالہ – فرماتا ہے : : فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (سورة هود : ١١٢)
ترجمہ : (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور وہ لوگ جو آپ

کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، اسی طرح ثابت قدم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے!!

(نوٹ: استقامت کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔)

دوسرا حکم: طغیان سے بچنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (هود : ۱۱۲)

ترجمہ:اور (عبادت میں) حد سے مت بڑھو! بے شک وہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے!!

طغیان کا مطلب ہے حد سے تجاوز کرنا، خواہ عبادت میں ہو یا گناہوں میں۔

عبادت میں حد سے بڑھنا بدعت ہے، اور گناہوں میں حد پار کرنا نافرمانی و سرکشی ہے۔

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، تو یہ بھی عذاب سے بچاؤ کا ایک اہم سبب ہے۔

تیسرا حکم: ظالموں کی طرف جھکنے سے پرہیز

ظالموں کی طرف میلان بھی عذاب کا سبب ہے، اور ان سے دوری عذاب سے نجات کا ذریعہ۔

اللہ – جل جلالہ – فرماتے ہیں: وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ (هود : ١١٣) .
ترجمہ :اور ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکو، ورنہ تمہیں آگ چھو جائے گی،اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہ ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی!!

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: یعنی ان ظالموں یا ان جیسے لوگوں سے دوستی، تعلق،اور ان کے کاموں میں شرکت نہ کرو۔(بیان القرآن، ص۴۸۸)

چوتھا حکم: نماز قائم رکھو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ (سورة هود : ١١٤)
ترجمہ : نماز کو دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں قائم کرو۔یقیناً نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں،اور یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو یاد رکھنے والے ہیں!!

نماز ایک عظیم عبادت ہے،جو عذاب کو دور کرنے میں بہت مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

پانچواں حکم: صبر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (سورۃ ھود : ۱۱۵)

ترجمہ :اور صبر کرو! بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا!!

صبر بھی ایک ایسا وصف ہے جس کی برکت سے انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

اور صبر ایک ہمہ گیر اور جامع صفت ہے جو پورے دین کا احاطہ کرتی ہے

(۱) عبادات کی ادائیگی میں صبر۔
(۲) گناہوں سے بچنے میں صبر۔
(۳) مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر۔

پس، صبر ایک ایسی عظیم صفت ہے جس کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

چھٹا حکم: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

یہ عذاب کو دور کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔
اللہ تعالی فرماتے ہیں: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ (سورۃ هود: ۱۱۶)
ترجمہ: تو ان گزشتہ قوموں میں کچھ اہلِ خیر کیوں نہ نکلے، جو لوگوں کو زمین میں فساد سے روکتے؟ مگر چند کمزور لوگ تھے جنہیں ہم نے بچالیا، باقی لوگ لذتوں کے پیچھے لگ گئے اور مجرم بن گئے!!

یہ آیت امتِ محمدیہ کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ان میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، تاکہ وہ بھی گزشتہ اقوام کی طرح عذاب کا شکار نہ ہوں۔

۱۵: ایک اور خاص وجہ ہے جس کی بناء پر عذاب کا دفع ہونا ممکن ہے، اور وہ صرف کفار کے متعلق ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ- جل جلالہ- کفار کے ساتھ عذاب کو اس لیے مؤخر فرماتا ہے کہ ان میں مسلمان موجود ہوں۔
جیسے کہ صلح حدیبیہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَأُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا

لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَاباً أَلِيماً (سورة الفتح : ٢٥)

ترجمہ: اگر (مکہ میں) ایسے مؤمن مرد اور مؤمن خواتین نہ ہوتے جنہیں تم نہ پہچانتے کہ تم ان پر قدم نہ رکھو کہ تمہیں ان میں سے کسی کے سبب بغیر علم کے نقصان پہنچے، تاکہ اللہ جسے چاہے اپنے رحم میں داخل کرے۔ اگر وہ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ان میں سے جو کافر تھے ان کو دردناک عذاب دیتے۔

اس مبارک آیت میں اللہ-جل جلالہ-نے حدیبیہ میں جنگ کی اجازت نہ دینے کی وجہ بیان فرمائی کہ ان کے درمیان چند مسلمان تھے جن کے بارے میں تمہیں علم نہیں تھا، اگر جنگ ہوتی تو وہ نقصان اٹھاتے کیونکہ تم ان کو پہچان نہ پاتے۔

حضرت جنید بن سبع انصاری - رضی اللہ عنہ - بھی ان مؤمنوں میں تھے جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں فرمایا: كُنَّا ثَلَاثَةَ رِجَالٍ وَتِسْعَ نِسْوَةٍ، وَفِينَا نَزَلَتْ: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ﴾ (قال الهيثمي: رواه الطبراني بإسنادين رجال أحدهما ثقات مجمع الزوائد ص: ٢٣٦ ج: ٧)

ترجمہ: ہم تین مرد اور نو عورتیں تھے، اور ہماری وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی!

یہ اس حال میں ہے کہ آیت کے آغاز میں اللہ-جل جلالہ-نے وہ اسباب بیان کیے ہیں جن کی بناء پر مشرکین کے ساتھ جنگ ہوتی

چاہیے، یعنی ان کا کفر، رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم-اور ان کے صحابہ کو مسجد حرام سے منع کرنا تاکہ وہ حج و عمرہ نہ کر سکیں۔

لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جنگ کا حکم نہ دیا تاکہ وہاں بسنے والے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا میں بھی بعض اوقات کفار کو اس لیے عذاب نہیں دیا جاتا کہ ان کے علاقے میں مسلمان مقیم ہوں۔
کیونکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عزت والے ہیں۔
اگر یہ اسباب عملی ہو جائیں تو ان شاء اللہ تعالی نہ صرف دنیاوی عذاب سے بچاؤ ہو گا بلکہ آخرت کے عذاب سے بھی حفاظت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دے، آمین یارب العالمین۔

موت کو یاد رکھنا چاہیے

موت ہر انسان کا مقدر ہے اور ہر انسان ایک دن اپنی آخری دن تک پہنچتا ہے، ایسا صبح جو کبھی شام نہ لے آئے، یا ایسا شام جو کبھی صبح نہ لائے۔
موت کے ساتھ ہی آخرت کا سفر شروع ہوتا ہے اور موت کے بعد انسان یا تو جنت کے منتظر ہوتا ہے، جہاں نعمتیں اور خوشیاں ہمیشہ

رہتی ہیں، یا جہنم کا منتظر ہوتا ہے، جس کا عذاب دردناک ہے۔
لیکن ہمارے انسانوں میں دنیا میں اتنی غفلت پھیل گئی ہے کہ اس کی وجہ سے ہم موت کو بھول چکے ہیں اور اس کے بارے میں سوچنا ترک کر چکے ہیں۔
مگر موت ایک ایسا حقیقت ہے جس کا اعلان ہر سننے والے کے کان میں کیا جا چکا ہے کہ موت آئے گی۔
ہر عقلمند عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ موت آئے گی۔
اور ہر زندہ دل جان چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب مٹ جائیں گے۔
اللہ۔ جل جلالہ۔ فرماتے ہیں: **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ** الآية (القصص: ۸۸)

ترجمہ: اللہ کے ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو گھیرتی ہے اور یہ ایک ایسی راہ ہے جس پر نیک اور بد دونوں چلتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ چاہے انسان جتنا بھی اس سے بھاگے، مگر بچ نہیں سکتا۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ** (الجمعة: ۸)
ترجمہ: کہہ دو کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تم سے ضرور ملاقات کرے گی، پھر تم اسے جاننے والے، چھپانے والے کی ذات کے سامنے لوٹائے جاؤ گے، جو تمہیں وہ سب بتائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔

یعنی اگر تم ہر طرف سے بچنے کی کوشش کرو اور کہیں بھی بھاگو، موت تمہارے سامنے آ کر تمہیں پکڑ لے گی۔

جو کوئی جیتا ہے، ایک دن مرنا ہے۔

موت کو یاد رکھنا انسان کو تمام گناہوں سے باز رکھتا ہے اور نیک اعمال کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن أبي هريرة قَال : قَال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الموت (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ\مشکوۃ المصابیح ص: ۱۴۰ ج : ۱) .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوشیوں کو ختم کرنے والے موت کا ذکر زیادہ کیا کرو۔

علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مختصر الفاظ میں جامع اور مکمل نصیحت کی گئی ہے، کیونکہ موت کو یاد رکھنے سے دین کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔

موت ایسی حقیقت ہے جس کے آنے کا کوئی مقررہ عمر، وقت، موسم یا بیماری نہیں ہوتی جس سے کوئی مرے، بلکہ یہ نامعلوم ہے تاکہ بندہ ہمیشہ اس کی تیاری میں رہے اور غافل نہ ہو۔

حضرت تیمی -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: دو چیزیں ہیں جنہوں نے میری دنیا کی لذتیں ختم کر دی ہیں: موت کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا ذکر۔

عمر بن عبد العزیز-رحمہ اللہ-علماء کو جمع کرتے تھے اور موت، قیامت اور آخرت یاد دلاتے تھے، اور ایسے روتے تھے جیسے ان کے سامنے کوئی جنازہ ہو۔

حضرت دقاق-رحمہ اللہ-موت کے یاد کرنے کے فائدے اور اسے بھولنے کے نقصانات بیان فرماتے ہیں: جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اسے تین چیزوں میں عزت دی جاتی ہے :

(۱)فوری توبہ

(۲)دل کا قناعت،

(۳)عبادت میں بیداری۔

اور جو موت کو بھول جائے، اسے تین چیزوں میں عذاب دیا جاتا ہے :

(۱)توبہ میں تاخیر

(۲)اتنے مال میں بھی خوش نہ ہونا جو کفایت کر جائے،

(۳)عبادت میں سستی۔

دنیاوی زندگی پر بھروسہ کرنا اور آخرت کو بھول جانا نادانی ہے۔
ہمیں ہمیشہ یہ سوچنا چاہیے کہ یہ زندگی گزرتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہے گی۔
ایک شخص نے ایک عالم سے کہا: مجھے ایسا نصیحت لکھ کر دو کہ جب میں غم اور تکلیف میں اسے دیکھوں تو تسلی پاؤں، اور خوشی میں اسے دیکھ کر اپنی خوشی قابو میں رکھ سکوں۔

اس نے لکھا: یہ وقت بھی گزر جائے گا !!

تو گناہ کی خواہش کے وقت بھی انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ وقت اور عمر گزر رہی ہے۔

اس گناہ کا مزہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔

کچھ علماء نے کہا ہے: اے انسان! تو وہی ہے جس دن تو پیدا ہوا تھا، تو رو رہا تھا، اور تیرے ارد گرد لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے۔

تو ایسا عمل کر کہ تیرے مرنے کے دن تیرے لوگ غم سے روئیں اور تو خوشی سے ہنسے !

اللہ پاک ہمیں توفیق دے کہ ہم موت سے غافل نہ ہوں اور ہمیشہ اس کی تیاری میں مصروف رہیں۔

اسلام کے وہ ستون جن پر اس کی عمارت قائم ہے

اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے، جس کی بنیاد چند ایسے اعمال پر رکھی گئی ہے جو اس کے ستون کہلاتے ہیں۔ یہ پانچ ارکان نہ صرف اسلام کی شناخت ہیں، بلکہ ایک مؤمن کی عملی زندگی کی بنیاد بھی یہی ہیں۔

ہمیں لازم ہے کہ اپنی پوری زندگی اور اپنے تمام اعمال انہی ارکان پر استوار کریں، تاکہ ہمارا دین مضبوط اور ہماری آخرت روشن ہو۔

بد قسمتی سے آج کا انسان دین سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ دینی احکامات کے بارے میں غفلت عام ہو چکی ہے۔

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ اور قیامت کے دن پہلا سوال بھی اسی کے بارے میں ہو گا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ، روزہ اور حج جیسے بنیادی ارکان کے بارے میں بھی غفلت اور کوتاہی کا رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔

ایسے پُر فتن دور میں ہم پر لازم ہے کہ ہم ہر طرح کی سستی، بے پروائی اور دنیاداری سے بچیں، اور ان پانچ بنیادوں کو اپنی زندگی کا مرکز بنائیں۔

یہ پانچ ستون درج ذیل ہیں :

عَنْ ابن عُمَرَ - رضی اللہ عنہما - قَالَ: قال رَسُول اللهِ - صلی اللہ علیہ وسلم -: بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ البَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (متفقٌ عَلَيهِ \ مشكاة المصابيح ص: ۱۲ ج: ۱).

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر — رضی اللہ عنہما — سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا: اسلام پانچ چیزوں پر قائم ہے: (سب سے پہلی) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

(۲)نماز قائم کرنا۔

(۳)زکات ادا کرنا۔

(۴)حج کرنا۔

(۵)اور رمضان کی روزے رکھنا۔

(بخاری و مسلم)

اس حدیث میں اسلام کے ستونوں اور ان بڑے امور کا ذکر ہے جن پر اسلام قائم ہے۔

یہی ستون ہیں جن پر اسلام قائم ہے، اس کے علاوہ دین کے دیگر تعمیراتی اجزاء ہیں۔اور واضح ہے کہ تعمیر جب مکمل ہو تو اس میں رہائش اچھی لگتی ہے، اسی طرح تعمیر خوبصورت ہوتی ہے اور انسان اس میں خوش رہتا ہے جب وہ مکمل ہو۔

جتنا تعمیر مکمل ہو گا، اتنا ہی انسان خوش نصیب ہو گا۔

اسی طرح اسلام بھی ہے، جب کوئی شخص ان پانچ ارکان اور ستونوں پر عمل کرتا ہے تو اسلام موجود ہوتا ہے، اسلام کی مکمل تعمیر تب ہو گی جب اس کے تمام پہلوؤں پر عمل کیا جائے۔

رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔نے اس مبارک حدیث میں اسلام کی مثال ایک خیمے سے دی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے، گواہی کلمہ خیمے کی درمیانی لکڑی کی مانند ہے جس کے بغیر خیمہ قائم نہیں ہو سکتا۔

باقی چار ارکان خیمے کی چاروں طرف کی لکڑیوں کی مانند ہیں جو خیمے کے چاروں جانب کھڑی ہیں۔

اگر درمیانی لکڑی نہ ہو تو خیمہ قائم نہیں ہو سکتا، لیکن اگر وہ موجود ہو اور چاروں طرف کی لکڑیوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو خیمہ قائم تو رہے گا لیکن جس طرف کی لکڑی نہ ہو وہ حصہ ٹوٹا ہوا اور ناقص ہو گا۔

حدیث سے ایک فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر عبادت قبول نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نماز ادا کیے بغیر، زکات دیے بغیر، حج کیے بغیر (اگر اس کی استطاعت ہو) اور رمضان کی روزے رکھے بغیر کوئی مکمل مسلمان نہیں بن سکتا۔

لیکن اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض صرف یہ پانچ ہیں اور ان کے علاوہ کچھ نہیں، بلکہ ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہر قسم کی سستی اور غفلت سے سختی سے بچیں تاکہ اسلام کے یہ پانچ بنیادی امور عملی طور پر مکمل ہوں۔

انسان کے سامنے آنے والے حالات اور اس کی ذمہ داریاں

دنیا میں کوئی انسان چار حالتوں سے خالی نہیں۔

وہ لازماً ان میں سے کسی ایک حالت میں ہو گا۔

جس حالت میں ہو گا، اس کے مطابق اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے پورا کرے۔

عرش کے سایہ یافتہ خوش نصیب لوگ

قیامت کا دن بے حد سخت اور دشوار دن ہو گا۔ ہمارا اور آپ کا کیا مقام ہے؟ بڑے بڑے نیک لوگ، متقی، علماء، اولیاء حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام تک سب پریشان ہوں گے۔

قیامت کا دن طویل ہو گا اور تمام انسان میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ سورج کی نزدیکی کی وجہ سے پسینے بہہ رہے ہوں گے، زمین کی تپش اس قدر سخت ہو گی کہ اس پر قدم رکھنا بھی دشوار ہو گا۔ کوئی کسی کا خیال نہیں کرے گا، اور کوئی شخص اس سختی سے فرار حاصل نہ کر سکے گا، نہ ہی کسی اور طریقے سے نجات پا سکے گا۔

البتہ کچھ خوش نصیب لوگ ایسے ہوں گے جنہیں **اللہ جل جلالہ** اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا، اور وہ ان تمام مصیبتوں سے محفوظ ہوں گے۔

یہ لوگ صرف قیامت کے دن کی سختیوں سے ہی محفوظ نہیں ہوں گے بلکہ بعد کے حالات بھی ان کے لیے امن اور خوشحالی والے ہوں گے۔

عرش کے سائے میں وہی لوگ آ سکتے ہیں جنہوں نے اس کے اسباب دنیا میں اختیار کیے ہوں۔ یہ مقام مفت میں نہیں ملتا بلکہ اس کے لیے کچھ خاص اعمال درکار ہیں، جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔

ایک حدیث میں سات ایسے خوش نصیب افراد کا ذکر کیا گیا ہے :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ الإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ. وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ (رواه البخاری ص:۹۱ ج:۱ ومسلم ص: ۳۳۲ ج:۱ واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ (وہ یہ ہیں:)

۱۔ عادل حکمران۔

۲۔ وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری۔

۳۔وہ شخص جس کا دل مسجد سے وابستہ ہو۔

۴۔وہ دو افراد جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں، اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں۔

۵۔وہ شخص جسے ایک خوبصورت اور باعزت عورت گناہ کی دعوت دے، "اور وہ کہے: "میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

۶۔وہ شخص جو اس قدر خفیہ صدقہ دے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہ جانے کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔

۷۔وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔

اس حدیث میں سات خوش نصیب افراد کا ذکر ہے جنہیں **اللہ جل جلالہ** اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔اس سائے سے مراد عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں وضاحت آئی ہے۔

ان میں سب سے پہلا شخص "عادل بادشاہ" ہے۔

عدل ایک مشکل عمل ہے، اسی لیے عادل کو یہ بلند مرتبہ دیا گیا ہے۔ اگرچہ حدیث میں "عادل بادشاہ" کا ذکر ہے، لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی عدل کرے، اسے اللہ پاک یہ مقام عطا فرماتا ہے۔

دوسرا وہ نوجوان ہے جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری۔ جوانی کا دور جذبات کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت میں نفس کی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ زادہ میشود پرہیزگار

یعنی جوانی میں توبہ اور نیکی اپنانا انبیاء کی سنت ہے، ورنہ بڑھاپے میں تو درندے کا بچہ بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔

تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل مسجد سے جڑا ہوا ہو، جب مسجد سے نکلے تو دوبارہ آنے تک مسجد کا شوق اس کے دل میں ہو۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ سارا دن مسجد میں بیٹھا رہے، بلکہ وہ پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہو۔

چوتھے وہ دو افراد ہیں جو صرف اللہ کی رضاء کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ دنیاوی مفادات یا مال و دولت کی بنیاد پر محبت کرنے والے بہت ہیں، مگر صرف اللہ کے لیے محبت کرنے والے بہت کم ہیں۔

ایسے لوگ جب جمع ہوں، تو اللہ کے لیے اور جب جدا ہوں تب بھی محبت باقی ہو، نہ یہ کہ سامنے محبت کا دعویٰ ہو اور پیٹھ پیچھے غیبت و بدگوئی۔

پانچواں وہ شخص جو اللہ کے خوف کی وجہ سے گناہ کو چھوڑ دے۔

چھٹا وہ شخص جو کسی مستحق کو اس طرح خفیہ صدقہ دے کہ بایاں ہاتھ بھی نہ جانے کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔ ایسی صدقہ میں اخلاص ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک وہی عمل مقبول ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے۔ اخلاص کے ساتھ کم عمل کا اجر بھی بڑھ جاتا ہے، اور ریاکاری والا عمل اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

ساتواں وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئیں۔ یہاں بڑا بشارت ہے کہ ہمیشہ ایسا کرنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسا کرے، تو ان شاء اللہ وہ اس مقام کا مستحق بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر روایات میں مزید خوش نصیب افراد کا ذکر بھی آیا ہے، جن میں سے چند کا خلاصہ یہ ہے :

۸۔ تنگ دست کو قرض میں مہلت دینا۔

۹۔ تنگ دست کا قرض معاف کرنا۔

۱۰۔ بھوکے کو کھانا کھلانا۔

۱۱۔ مومنوں پر شفقت اور حسنِ اخلاق رکھنا۔

۱۲۔ مجاہد کی مدد کرنا۔

۱۳۔ مقروض کی مدد کرنا۔

۱۴۔ مکاتب غلام کی امداد کرنا۔

۱۵۔ تجارت میں سچ بولنا۔

۱۶۔ بچپن میں قرآن سیکھنا اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کرنا۔

۱۷۔ یتیم کی پرورش۔

۱۸۔ بیوہ کی دیکھ بھال کرنا۔

۱۹۔ صدقہ وخیرات کرنا۔

۲۰۔ بے روزگار یا معذور افراد کی مدد کرنا۔

۲۱۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی تلاوت کرنا۔

اللہ جل جلالہ ہم سب کو ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔
آمین۔

برے کاموں سے روکنے کے فوائد

برے کاموں سے روکنا تو اسلامی فریضہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا اور آخرت میں بے شمار فوائد کا باعث بھی بنتا ہے۔

دنیا میں حفاظتِ عذاب

برے کاموں سے روکنے کی ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ یہ عذاب سے نجات کی مؤثر اور قوی وجہ ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں : فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (الاعراف: ۱۶۵)

ترجمہ: جب وہ نصیحت بھول گئے جس کی انہیں یاد دہانی کروائی گئی تھی، تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے، اور ظالموں کو ان کی سرکشی کی وجہ سے ''بھیانک عذاب میں گرفتار کیا۔

یہ آیت اس قوم کی مثال بیان کرتی ہے جو دریائے کنارے ایک قصبے (ایکہ) میں رہتی تھی، جسے آج کل ''عقبۃ داؤد'' کہا جاتا ہے۔ انہیں حکم تھا کہ ہفتے کے روز مچھلی نہ پکڑیں۔ لیکن آزمائش کے طور پر اس دن مچھلی زیادہ ہوتی تھی۔ انہوں نے حکمتِ عملی بنائی اور حوض بنالی، اور وہاں پانی چھوڑا تاکہ ہفتے کے روز مچھلی حوضوں میں آجائے، پھر وہ اسے پکڑ لیتے — حالانکہ انہوں نے خود اعتراف کیا کہ ''ہم تو ہفتے کے روز شکار نہیں کرتے!'' یوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی نفی کی۔ نتیجتاً اُن کا جسم، شکل سے گدھوں اور بیزوگوں جیسا ہوگیا۔

آیت میں بیان ہوا :

ہم نے ان افراد کو جو برائی سے روکتے تھے عذاب سے نجات دی،

اور ظالموں کو شدید عذاب میں گرفتار کیا۔

یعنی برے کاموں کی روک تھام عذاب سے نجات کا اہم اسباب میں سے ہے۔

شیخ عبدالرحمان السعدی لکھتے ہیں : **وَهَكَذَا سُنَّةُ اللَّهِ فِي عِبَادِهِ أَنَّ الْعُقُوبَةَ إِذَا نَزَلَتْ نَجَا مِنْهَا الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان ص : ٣١٦)**

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب عذاب آیا تو وہ لوگ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اس سے نجات پاتے ہیں !!

اگر لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا نہ جائے، اور برائی سے منع نہ کیا جائے، تو گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ اللہ کا عمومی عذاب وسزا ہے، جس میں نیک وبد سب مبتلاء ہو جاتے ہیں۔

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ -رضى الله عنها- أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُولُ «لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ». وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا. قَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ : نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ (متفق عليه \ مشكوة المصابيح ص: ٤٥٦ ج: ٢).

ترجمہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن خوف کی حالت میں ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا : اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عربوں کے لیے ہلاکت ہے اُس شر کی وجہ سے جو قریب آچکا ہے۔ آج یاجوج وماجوج کی دیوار میں

اتنا سوراخ ہو گیا ہے (اور آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور انگوٹھے سے دائرہ بنا کر اشارہ فرمایا)"۔

زینب رضی اللہ عنہا، جو اُمّ المؤمنین ہیں، فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ہلاک کیے جائیں گے، حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہاں، جب گناہ عام ہو جائیں گے۔" (متفق علیہ)

یعنی گناہوں کا نہ روکنا— یعنی نہی عن المنکر ترک کرنا— آخر کار وسیع عذاب کا سبب بنتا ہے۔

اس لیے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ نیکی بلائے اور برائی سے روکے، خاص طور پر علماء اور دینی افراد کیونکہ وہ لوگوں کے رہنما ہیں۔ مگر یہ فریضہ صرف انہی پر نہ چھوڑا جائے— ہر گھر کا سربراہ اپنی فیملی کو، ہر دوست اپنے دوستوں کو، اور ہر مسلمان سبکے لیے دُعاء و ہدایت پر یقین دلائے۔

اگر یہ ذمہ داری سب مل کر اداء کریں، تو ان شاءاللہ معاشرے اور دنیا میں تبدیلی آئے گی، گناہوں میں کمی واقع ہو گی، اور نتیجتاً کوئی عظیم عذاب نہ آئے گا اور وہ تکالیف جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے درپیش آئیں، ان سے نجات ہو گی۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برے کاموں سے روکنا عذاب سے نجات، اور برائی میں کمی کا مؤثر سبب ہے۔

اسے صرف علماء کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے فرض بنایا گیا۔

اگر سب مل کر اس فریضے پر عمل کریں، تو معاشرے میں واضح اصلاح، گناہوں میں کمی اور اللہ کی رحمت شامل حال ہو جائے گی۔

فتنوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (رواه مسلم ص: ۷۵ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک اعمال میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ وہ فتنے آئیں جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں، انسان صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر۔ وہ اپنا دین دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کا مطلب ہے کہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرنی چاہیے اس سے پہلے کہ آزمائشیں اور فتنے آ

جائیں، جنہیں حدیث میں اندھیری راتوں کی مانند قرار دیا گیا ہے (شرح مسلم للنووي، ص: ۷۵، ج:۱)۔

اس حدیث شریف میں فتنوں کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور ان سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ نیک اعمال کیے جائیں۔

اگر کوئی شخص فتنوں سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اسے نیک اعمال کرنے چاہیے، تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔

قرآن وسنت میں بعض ایسے اعمال کا ذکر آیا ہے، جن پر عمل کرنے سے انسان فتنوں سے بچ سکتا ہے۔
علماء کرام نے ان اعمال کو جمع کیا ہے، جنہیں ہم یہاں آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ پر توکل، اس سے پناہ مانگنا اور دعائیں کرنا کہ وہ ہمیں فتنوں سے محفوظ رکھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (سورة ابراهيم : ٢٧)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں ثابت قدم رکھتا ہے، اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

مؤمنوں کا ثابت قدم رہنا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء بھی ذکر کی ہے، جس میں انہوں نے فتنوں سے پناہ مانگی: إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ (سورة الاعراف : ١٥٥)

ترجمہ: اے پروردگار! یہ تو تیری آزمائش کے سوا کچھ نہیں، جس کے ذریعے تو جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، بے شک تو بہترین بخشنے والا ہے۔

جب انسان کا دل ایمان، توحید، اخلاص اور اللہ کی طرف رجوع سے بھرا ہوتا ہے تو دُعاء کا اثر بھی ظاہر ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے فتنوں اور شرور سے محفوظ رکھتا ہے۔

جتنا زیادہ کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توحید مضبوط ہو گی، اتنا ہی وہ خوف، شر اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الانعام : ۸۲)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہ کیا، ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پر ہیں۔

اس آیت میں مطلق امن کا ذکر ہے، جو دنیاوی اور اخروی دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔
آخرت کا امن عموماً ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو دنیا میں فتنوں سے محفوظ رہے ہوں۔

یہ امن توحیدِ کامل کا فائدہ ہے، وہ توحید جس کے ساتھ شرک کی آمیزش نہ ہو، اگر توحید میں شرک شامل ہو جائے تو وہ معتبر نہیں رہتی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ « قُولُوا اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.(رواه مسلم ص : ۲۱۸ ج : ۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ دُعاء اس اہتمام سے سکھایا کرتے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے۔ آپ فرمایا کرتے: یہ دُعاء پڑھو:

اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

ترجمہ: اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنے سے، اور زندگی و موت کے فتنوں سے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (مسلم ص: ۳۸۶ ج: ۲)

ترجمہ: ظاہر و باطن فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، (مسلم ص: ۳۸۶ ج: ۲)

یعنی ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں تمام فتنوں سے، چاہے ظاہر ہوں یا: باطن۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو ہر وقت اللہ سے دُعاء کرنی چاہیے کہ وہ اسے فتنوں سے محفوظ رکھے، کیونکہ انسان کمزور ہے، وہ اپنی قوت سے فتنوں سے نہیں بچ سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔

اگراللہ کی مدد ہو تو کامیابی یقینی ہے، اور اگر یہ مدد نہ ہو تو انسان فتنوں سے نہیں بچ سکتا۔

(۱) دین پر عمل کرنا، دینی علم حاصل کرنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص اتباع کرنا۔

کیونکہ علم شبہات کو ختم کرتا ہے، گمراہی کو ہدایت سے، اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔
لیکن یہ اسی وقت فائدہ دیتا ہے جب اس کے ساتھ اخلاص اور تقویٰ ہو، تاکہ عالم خواہشات کا پیرو نہ بنے۔ اگر علم کے ساتھ اخلاص اور تقویٰ نہ ہو تو وہ علم خود فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

بے علم انسان اگر غلطی کرتا ہے تو وہ اپنے گناہ کو مانتا ہے، اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

لیکن جو عالم اخلاص اور تقویٰ سے محروم ہو، اگر غلطی کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اسے گناہ نہیں سمجھتا بلکہ اس کے جواز کے دلائل بھی لاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: سب سے افضل عمل کون سا ہے؟

آپ نے فرمایا: علم حاصل کرنا، بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔

پھر پوچھا گیا: نیت کی اصلاح کیسے ہو؟

فرمایا: نیت یہ ہو کہ خود سے اور دوسروں سے جہالت دور ہو، بس یہی نیت ہونی چاہیے (طبقات الحنابلۃ لابی یعلی)۔

ہمارے دین کے مشائخ اور سلف صالحین اپنے شاگردوں کو علم کی وصیت کیا کرتے تھے، کیونکہ علم ہی سے انسان فتنوں، شبہات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔

کون سا علم فضیلت رکھتا ہے؟

علم فقہ کی ایک اہم شاخ یہ بھی ہے کہ عالم اس بات کو سمجھتا ہو کہ لوگوں کی عقل، فہم اور حالات کے مطابق کون سا مسئلہ بیان کرنا چاہیے اور کون سا مؤقت کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اس بات کو نہیں سمجھتا تو حقیقت میں وہ علم اور فقاہت سے خالی ہے، اور ایسی حالت میں اس کا فائدہ بھی لوگوں کو کم ہی پہنچتا ہے۔

تیسری چیز: تقویٰ اور نیک عمل

تقویٰ ایک نہایت ضروری شے ہے، لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ** (النساء: ۱۳۱)
ترجمہ: یقیناً ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے، اور تمہیں بھی یہی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو۔

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ حکم ہے جو تمام امتوں کو دیا گیا۔

جو شخص چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں کامیاب ہو، تو اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے، اور وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۲، ۳)
ترجمہ: جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ پیدا کرے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

پھر فرمایا : وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (الطلاق : ۴)
ترجمہ: جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے اس کے تمام معاملات کو آسان کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا : اِحْفَظِ اللّٰہ یَحْفَظْكَ اِحْفَظْ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ (رواه احمد ص : ۴۱۰ ج : ۴ و الترمذي ص : ۷۸ ج : ۲)
ترجمہ: اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

یعنی وہ تمہارے کاموں میں تمہاری مدد فرمائے گا۔

ان نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیک عمل، عبادت کی کثرت، اللہ سے تعلق، ذکر اور استغفار کی زیادتی انسان کو فتنوں سے بچاتی ہے، چاہے وہ فتنے آئندہ آنے والے ہوں یا آچکے ہوں۔

چوتھی چیز: دنیا سے محبت نہ کرنا

کیونکہ شہوات کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب انسان دنیا سے محبت کرنے لگے اور آخرت سے غافل ہو جائے۔

شہوات کا دروازہ صرف اسی وقت بند ہو سکتا ہے جب دنیا کی محبت کم کی جائے اور آخرت کی محبت بڑھائی جائے۔ جب انسان کے دل میں آخرت کی محبت غالب آجاتی ہے تو وہ فتنوں اور شہوات سے محفوظ رہتا ہے۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے دنیا کی محبت کے ختم کرنے کے دو طریقے بیان کیے :

پہلا : یہ سوچنا کہ دنیا فنا ہونے والی اور ناپائیدار ہے، اور اس دنیا کی ہر چیز ایک دن ختم ہو جائے گی۔
مزید یہ کہ دنیا کے طلبگار ہمیشہ غم میں مبتلاء رہتے ہیں۔ اگر دنیا نہ ملے تو غم ہوتا ہے، مل جائے تب بھی غم، اور اگر چھن جائے تو بھی غم!

دوسرا : آخرت کے قریب ہونے، اس کے لازمی طور پر آنے، اس کے دائمی اور ابدی ہونے پر غور کرنا۔
اور یہ سوچنا کہ دنیاوی اور اخروی نعمتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا : وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (سورة الاعلى : ١٧)
ترجمہ: اور آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

جو نعمت ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، ہر عقل مند انسان اسی کو پسند کرتا ہے۔

جب انسان ان دو باتوں پر غور کرتا ہے، تو اس کے دل میں دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

(الفوائد ملخصًا)

پانچویں چیز: مؤمنوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا

جو شخص مؤمنوں کے راستے پر چلتا ہے، وہ فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔

مؤمنوں سے مراد صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ**

ترجمہ: بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔

لہٰذا جو شخص ان مؤمنوں کے نقش قدم پر چلے گا، وہ گمراہ نہیں ہوگا۔

چھٹی چیز: نرمی اور صبر اختیار کرنا

کیونکہ اکثر نقصانات جلد بازی کی وجہ سے ہوتے ہیں، انسان جلد بازی میں کوئی کام کر بیٹھتا ہے اور پھر بعد میں پشیمان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جلد بازی کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا :
وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا (الاسراء: ۱۱)
ترجمہ: انسان برائی کی دُعاء اس طرح کرتا ہے جیسے بھلائی کی، اور انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد القیس کے اشج سے فرمایا : إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ (رواه مسلم ص : ۳۵ ج : ۱ ، مشكاة المصابيح ص : ۴۲۹ ج : ۲) .

ترجمہ: تم میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ کو پسند ہیں: بردباری اور نرمی۔

ایک حدیث میں آیا ہے : اَلْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ (رواہ الترمذي، مشکات ص: ۴۲۹ ج: ۲)

ترجمہ: **تحمل اور بردباری اللہ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔**

یعنی انسان جب سکون، غور و فکر اور سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہے، تو یہ ایک الٰہی صفت ہے، اور جب بغیر سوچے سمجھے، جلد بازی سے عمل کرتا ہے، تو یہ شیطانی وسوسے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صبر اور بردباری ہر حال میں بہتر ہے، خاص طور پر فتنوں اور اضطراب کے وقت میں اس کی بہت ضرورت اور فضیلت ہے۔

لہٰذا، اگر کوئی شخص یہ چند اوصاف اپنے اندر پیدا کر لے تو ان شاءاللہ ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

ہدایت کی دو زنجیریں: کتابُ اللہ اور رجالُ اللہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے دو سلسلے جاری فرمائے ہیں۔ یہ دونوں سلسلے اس طرح ہیں کہ جب تک دونوں اکٹھے نہ ہوں، ہدایت مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ دو سلسلے یہ ہیں :

(۱) کتابُ اللہ کی زنجیر

کتابُ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ آسمانی کتابیں ہیں جو مختلف زمانوں میں نازل کی گئیں، جیسے تورات، انجیل، زبور، صحیفے اور آخر میں قرآن کریم۔

یہ کتابیں انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئیں، تاکہ وہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کو سنوار سکیں۔

دیگر مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے ایسے فطری انداز پر پیدا کیا ہے کہ اُنہیں کسی خاص رہنمائی کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسا کہ ایک جانور کا بچہ پیدائش کے ساتھ ہی جان لیتا ہے کہ بھیڑیا اس کا دشمن ہے اور اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

لیکن انسان ایسا نہیں، وہ صحیح راستہ پہچاننے کے لیے رہنمائی کا محتاج ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل : ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

(۲) رجال اللہ کی زنجیر

رجال اللہ سے مراد انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کا مطلب سمجھائیں، ان کی تشریح کریں اور لوگوں کی تربیت دینی خطوط پر کریں۔

کیونکہ محض کتاب کافی نہیں، استاد کے بغیر کوئی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف دینی علوم کا معاملہ نہیں بلکہ دنیاوی علوم بھی اسی اصول کے تابع ہیں۔

مثلاً: اگر کوئی شخص صرف میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر خود کو ڈاکٹر کہے تو کوئی اسے تسلیم نہیں کرے گا جب تک وہ ماہر اساتذہ سے تعلیم حاصل نہ کرے۔
اسی طرح کوئی شخص خود سے انجینئرنگ کی کتابیں پڑھ کر انجینئر بننے کا دعویٰ کرے، تو وہ بھی ناقابلِ قبول ہوگا جب تک وہ کسی تربیت یافتہ استاد سے رہنمائی نہ لے۔

جب دنیاوی علوم کے لیے بھی استاد ناگزیر ہے، تو دینی علوم جو انسان کی ابدی فلاح و تباہی سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں کیسے ممکن ہے کہ ہر شخص بغیر استاذ اور سند کے خود کو "عالم" سمجھے اور دینی معاملات میں رائے دینے لگے؟

لہٰذا ہدایت کی یہ دونوں زنجیریں — "کتابُ اللہ" اور "رجالُ اللہ" — لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر عمل کر کے دوسری کو چھوڑ دینا انسان کو گمراہی میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

رجالُ اللہ میں علماء بھی شامل ہیں کیونکہ وہ انبیاء کے وارث اور دین کے شارح ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے : **إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (سنن "ابی داود)** یعنی: "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اسی لیے علماء دین کے اقوال و آراء کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اور کسی دینی مسئلے میں ایسی رائے اختیار کرنا جو جمہور علماء کے خلاف ہو، سخت خطرناک ہے۔ کیونکہ ہر فن میں ماہرین کی رائے ہی معتبر ہوتی ہے۔

قرآن کی تفسیر صرف وہی معتبر ہے جو رجالُ اللہ سے ثابت ہو

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل پیغام ہے، مگر اس کی آیات کو صحیح طریقے سے سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، تاکہ وہ کتاب اللہ کی تعلیم، تبیین، اور تشریح لوگوں کو سکھائیں۔

قرآن کی خودساختہ تفسیر کی ممانعت

قرآن مجید میں ہے : وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
(سورة النحل : ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

یعنی قرآن کی تفسیر اور وضاحت کی اصل ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو تفسیر آپ ﷺ سے، صحابہ کرامؓ سے، تابعین وائمہ کرام سے ثابت نہ ہو، وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔

رجالُ اللہ کی تفسیر ہی معتبر کیوں؟

نبی ﷺ کا بیان وحی کا حصہ ہے

رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، اور تقریر دراصل وحی کی تشریح ہے۔
اس لیے قرآن کی صحیح تفسیر وہی ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہو۔

صحابہ کرامؓ فہمِ قرآن کے اولین راوی ہیں

اُنہوں نے قرآن نبی ﷺ سے سیکھا، عملی طور پر سمجھا، اور اس کو امت تک منتقل کیا۔

ائمہ دین اور علماء امت

جنہوں نے علومِ قرآن، حدیث، اصولِ تفسیر، اور لغت عربیہ کے اصولوں سے مسلح ہو کر قرآن کی تشریحات پیش کیں، انہی کی تفاسیر امت کے لیے معیار بنی ہیں، جیسے تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر قرطبیؒ، تفسیر روح المعانی وغیرہ۔

خودساختہ تفسیر کے خطرات

قرآن کی ہر آیت کا ایک سیاق و سباق

ہوتا ہے؛ اسے نظرانداز کرنا گمراہی کا باعث بنتا ہے۔

کئی آیات متشابہات ہیں، جنہیں صرف راسخون فی العلم ہی صحیح طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

جو شخص عربی زبان، اصولِ تفسیر، ناسخ و منسوخ، شانِ نزول وغیرہ سے ناواقف ہو، وہ قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کی وہی تفسیر معتبر اور قابلِ قبول ہے جو نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین، اور امت کے جلیل القدر علماء سے منقول ہو۔ خود ساختہ، غیر مستند اور بے سند تفسیر دین میں بگاڑ، فتنے، اور گمراہی کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہم "کتابُ اللہ" کو "رجالُ اللہ" کی روشنی میں سمجھیں، تاکہ ہدایت کے دونوں زنجیروں سے جُڑ کر سلامتی کی راہ پر گامزن رہیں۔

چاروں ائمہ کرام کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

اسی اصول کے تحت فقہی مسائل میں بھی ماہرین کی رائے کو بنیاد بنایا گیا، جن میں چاروں بڑے ائمہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ شامل ہیں۔

یہ حضرات علم، تقویٰ، حدیث، قرآن، اجماع اور قیاس پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ اُنہوں نے دین کی تفہیم، تطبیق، اور اجتہاد کو اصولوں کے

دائرے میں رکھا، اور ایسی فقہی بنیادیں فراہم کیں جن پر امت نے چودہ سو سالوں تک اعتماد کیا۔

فقہی مسائل میں اُن کی تقلید اختیار کرنا اسی بناء پر امت میں رائج ہوا کہ :

عام انسان قرآن و حدیث کا براہِ راست فہم نہیں رکھتا؛

ہر شخص مجتہد نہیں بن سکتا؛

خود ساختہ تشریح گمراہی کا دروازہ ہے؛

اور دینی احکام میں استقامت تب ہی آتی ہے جب کسی معتبر مذہب کی پیروی کی جائے۔

لہٰذا چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید اختیار کرنا اہلِ سنت کا مستند اور محفوظ طریقہ ہے، اور اس کے بغیر ایک عام انسان دینی معاملات میں لغزش، خلط اور انتشار کا شکار ہو سکتا ہے۔

نتیجہ : ہدایت کی مکمل روشنی حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ کتابُ اللہ کے ساتھ ساتھ رجالُ اللہ (یعنی انبیاء و علماء) کے علم اور فہم سے رہنمائی حاصل کی جائے، اور فقہی مسائل میں خود ساختہ رائے

اختیار کرنے کی بجائے معتبر ائمہ کرام کی تقلید کی جائے۔ یہی امت کا اجماعی راستہ ہے اور یہی دین کی سلامتی و حفاظت کی بنیاد۔

خاتمے کی اصلاح کی اہمیت

ہر عبادت گزار پر فرض ہے کہ آخر عمر میں بھی نیک اعمال انجام دے اور برائی سے خود کو محفوظ رکھے۔ انسان وہ وقت واقعی کامیاب سمجھا جاتا زندگی کا آخری حصہ) اچھی ہو۔) ہے، جب اس کی **خاتمہ**

حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے : إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ (رواہ احمد ص : ۴۸۹ ج : ۳۷، و ابن حبان فی صحیحہ ص : ۵۲ ج : ۲)
ترجمہ: اعمال کا دار و مدار ان کے ختم ہونے پر ہے۔

یعنی اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، تو اس نے بہترین خاتمہ پایا—مزید یہ کہ اللہ نے اس پر اہتمامِ آخرت لکھ دیا۔ اور اگر کوئی اپنی آخری عمر گناہوں میں گزارتا ہے تو اس نے رب کی ناراضی اور بد خاتمہ پایا (نعوذ باللہ من ذلک)۔

خاتمے کی اصلاح کے لیے سنجیدگی اختیار کرنا اور یہ سمجھنا کہ انسان کس طرح اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ اس کی زندگی **اسلام اور نیک**

اعمال پر ختم ہو — یہ انتہائی اہم ہے۔ یہ کام **متقیوں** اور **صالحین** کا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے لیے مدعو فرماتا ہے۔

اللہ — جلَّ جلالہ — فرماتے ہیں: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ** [آل عمران: ۱۰۲].

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

یاد رہے کہ "حق تقویٰ" اس حال کو کہتے ہیں جب شخص اپنی پوری طاقت سے گناہوں سے بچپا رہے — اور اگر اس کے باوجود کوئی ناروا عمل ہو جائے تو یہ تقویٰ کی خلاف ورزی نہیں۔

اسلامی موت کا مطلب یہ ہے کہ مومن ہر حالت میں — وہ حالت کسی بھی مرحلے کی ہو — اسلام کے دائرے میں رہتا ہے۔

نبیوں نے بھی ہمیشہ وفاداری کے ساتھ اپنی اولاد کو اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ** [البقرۃ: ۱۳۲]

ترجمہ: اے اولادِ ابراہیم ویعقوب! اللہ نے تمہارے لیے دین کو چُن لیا، تو تم حقاً اسی حالت میں مرّو جب تم مسلمان ہو!!

یہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام پر مضبوط عمل زندگی کا مقصد ہے تاکہ خالق کے حضور مسلمان ہوتے ہوئے وفات پائیں۔

دعاوں میں اچھی خاتمے کی خواہش

عقلمند لوگ اپنی دُعاء میں اللہ سے اپنا نیک اختتام چاہتے ہیں :
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۳)
"اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں نیکوں کے ساتھ انتقال دے"!

اور توبہ کرنے والے دُعاء کرتے ہیں : **رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ** [الأعراف: ۱۲۶]

یعنی اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما اور ہمیں ایسے مسلمان حالت میں موت عطا فرما!!

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ « إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ فِي ذَلِكَ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ فِي ذَلِكَ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يُرْسَلُ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَوَالَّذِي لاَ إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ

النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّاذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا.

(متفق علیہ\مشکوۃ المصابیح ص:۲۰ ج:۱)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے، اور وہی سچے اور سچ بولنے والے ہیں، فرمایا :

تم میں سے ہر ایک کا خَلق (پیدا ہونے کا عمل) اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں جمع کیا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک وہ علقہ (جمے ہوئے خون) کی صورت اختیار کرتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ (چبائے ہوئے گوشت) کی شکل میں ہوتا ہے۔
پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے، جو اس میں روح پھونکتا ہے، اور اُسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اُس کا رزق، اُس کی عمر، اُس کا عمل، اور یہ کہ وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت۔

قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنت والوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جنت اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اُس پر تقدیر غالب آتی ہے، اور وہ دوزخیوں جیسے عمل کرنے لگتا ہے، اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ دوزخ اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے، اور وہ جنت والوں جیسے عمل کرنے لگتا ہے، اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے !!

نتیجہ خاتمہ ہی اصل قدر ہے نیک اعمال پر غرور نہیں کرنا چاہیے، اور ہرگز اطمینان سے زندگی مکمل نہیں کرنی چاہیے کیونکہ فیصلہ آخری عمل کا ہوتا ہے۔

آخری لمحے کی تصویر: اگر آخری لمحات میں نیک اعمال و عبادات کا اثر ہو، تو یہ اچھا شگون ہے؛ لیکن اگر انمول دعاؤں اور ظاہری اعمال کے باوجود نافرمانی ہو جائے — تو نتیجہ عبرتناک ہوگا۔

مثالیں ہمیں سمجھاتی ہیں

ایک بڑا عبادت گزار، ابلیس — ملائکوں کے ساتھ عبادت میں روز شریک — مگر فخر نے اسے منحرف کر دیا؛ علماءِ نامور بلحوم بن باعوراء اس علم کی تکمیل نہ کر سکے اور گناہوں میں مبتلاء ہو کر فوت ہوئے۔

آنے والی تحریروں میں چند اہم عملی اقدامات درج کیے جائیں گے جو ان شاءاللہ آپ کی آخرت کو بہتر بنا سکیں۔

مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ انہیں غور سے پڑھیں، اپنی روح پر اختیار کریں، تاکہ زندگی کا اختتام رحمت و نجات کے ساتھ ہو اور ہمیشہ کے لیے کامیاب بن سکیں۔

خاتمے کی اصلاح کے اسباب

اسلامی شریعت میں چند عام مگر اہم اعمال بیان کیے گئے ہیں جو انسان کو اس عظیم مقصد یعنی اچھی **خاتمہ** کی جانب لے جاتے ہیں۔ یہ اعمال آسان ہیں اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں معمول بنائے، تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی اور سعادت نصیب ہو۔

(۱) خاتمے کی بہتری کے لیے ایک بنیادی سبب "سیدُالاستغفار" کی کثرت اور مستقل پڑھائی ہے، خاص طور پر صبح و شام ایک بار یہ دعاء لازماً پڑھی جائے۔

عَنْ شَدَّادِ بنِ أَوْسٍ - رضی الله عنه - قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم - : سَيِّدُ الاسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ

أَنْتَ. مَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا، فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (رواه البخاری ص: ۹۳۳ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار (یعنی سب سے افضل اور جامع ترین دعاء برائے استغفار) یہ ہے کہ بندہ یوں کہے: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ. (ترجمہ: اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں تیری طرف سے (میرے ساتھ جو) عہد و وعدہ ہے، اُس پر حتی المقدور قائم ہوں، میں اپنے اعمال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں تیرے سامنے تیرے مجھ پر احسانات کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں، پس تو مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخش سکتا)۔

جو شخص دن کے وقت یہ دُعاء یقین کے ساتھ پڑھے، پھر اسی دن شام ہونے سے پہلے فوت ہو جائے، تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا۔ اور جو شخص رات کو

یقین کے ساتھ یہ دعاء پڑھے، پھر صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جائے، وہ بھی جنت والوں میں سے ہوگا۔

اہم نکات

یہ اچھی خاتمے کا بہترین ضامن ہے۔

پڑھائی آسان ہے اور چند لمحوں میں مکمل ہو گی۔

جو شخص اسے اپنی روزمرہ اوراد میں شامل کرے، وہ **بے نقص خاتمے** کی امید رکھتا ہے۔

اس کو سیدُ الاستغفار کیوں کہا جاتا ہے؟

یہ "استغفاروں کا سردار" ہے کیونکہ اس میں ایسے الفاظ اور معانی ہیں جو اس درجہ کے شایان شان ہیں۔

برائیوں کے اعتراف اور اللہ سے آتے توبہ کے اس مضبوط اظہار کی وجہ سے سب سے موثر سمجھا جاتا ہے۔

خاص طور پر ہر **فرض نماز کے بعد**، اور صبح و شام اس کی تکرار لازمی کرنی چاہیے۔

صرف یاد سے پڑھنا لازمی نہیں؛ اگر لکھائی سے پڑھا جائے تو پھر بھی **صحیح** ہے۔

اس کو ہمیشہ، بلا سستی، **منظّم انداز سے** ادا کرنا عظیم کامیابی کا ذریعہ ہے۔

(۲) استقامت

اچھے انجام (خاتمہ بالخیر) کا دوسرا سبب "استقامت" ہے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے مبارک کلام میں فرماتے ہیں: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ، نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ، نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ. (حم السجدة: ۳۰\۳۱\۳۲)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ: "ہمارا رب اللہ ہے" پھر اس پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوں گے (اور کہیں گے): "نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور اس جنت کی خوشخبری لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا! ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہو گا جو تمہارے دل چاہیں گے، اور وہ بھی جو تم مانگو

گے۔ یہ سب کچھ بخشنے والے مہربان رب کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہوگا۔"

ان مبارک آیات میں اللہ تعالیٰ نے کامل مومنوں کی حالت کو بیان فرمایا اور دنیا و آخرت میں ان کے لیے عزت و اکرام کا وعدہ کیا۔

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائیں، اور پھر اپنی اس عقیدے پر مرتے دم تک ڈٹے رہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں چار طرح سے خوشخبری بیان فرمائی ہے :

(۱) ان پر فرشتے نازل ہوں گے

یہ نزول خواب میں بھی ہو سکتا ہے، کہ انسان سچے اور اچھے خواب دیکھے۔ سکرات کے وقت، قبروں سے اٹھنے کے وقت، اور میدانِ حشر میں بھی فرشتے ان کے پاس آئیں گے۔

(۲) فرشتے انہیں کہیں گے: "نہ ڈرو

یعنی مستقبل کے بارے میں مطمئن رہو، تم عذاب سے محفوظ ہو۔

(۳)اور یہ کہ "غم نہ کرو

یعنی ماضی کی غلطیوں اور گناہوں پر افسوس نہ کرو، اگر گناہ کیے ہیں تو اللہ نے معاف فرمادیے ہیں۔

(۴)اور اس جنت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا

دوسری آیت میں ایمان اور استقامت رکھنے والوں کو تین مزید خوشخبریاں دی گئی ہیں

(۱)فرشتے دنیا میں بھی ان کے رفیق ہوتے ہیں

انہیں خیر کی باتوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں، نماز کے لیے جگاتے ہیں، شیطانی وسوسوں سے بچاتے ہیں، اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۲)آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے

مومنوں کے لیے سفارش کریں گے اور ان کو سلام کہیں گے۔

(۳)فرشتے مومنوں سے کہیں گے: "تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے دل چاہیں گے اور جو تم مانگو گے !!

یعنی تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی، خواہ تم اسے زبان سے ادا کرو یا دل میں رکھو۔

تیسری آیت میں ایک اور بشارت ہے، اور وہ یہ کہ جنت کے انعامات "مہمانی" کے طور پر ہوں گے۔

یعنی یہ نعمتیں عزت واکرام کے طور پر دی جائیں گی، نہ کہ دنیاوی مہمان داری کی طرح کہ صرف تین دن ضیافت ہو اور پھر عام کھانا دیا جائے۔

جنتی ہمیشہ کے لیے مہمان بن کر معزز ہوں گے، اور سائل کی طرح ذلیل نہیں ہوں گے۔

اسی "مہمانی" کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انہیں ایسے نعمتیں بھی دی جائیں گی جن کی آرزو ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی، جیسے کہ کسی بڑے انسان کے مہمان کے سامنے ایسی چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کا اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

(مظہری، معارف القرآن، جلد ۷، صفحہ ۶۵۲)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری خوشخبریاں اس شخص کے لیے ہیں جو ایمان لایا اور استقامت اختیار کی۔

استقامت کیا ہے؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے :هُمُ الَّذِينَ لَمْ يُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا (تفسیر ابن کثیر ص: ۷۷م ج:۵)

یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَلِاسْتِقَامَةُ أَنْ تَسْتَقِيمَ عَلَى الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، وَلَا تَرُوغَ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ۔ (مظھری ص: ۲۳۴ ج: ۶)

یعنی استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام (اوامر و نواہی) پر ثابت قدم رہو، اور لومڑیوں کی طرح چالاکی سے ادھر اُدھر بچنے کی کوشش نہ کرو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استقامت کی تفسیر "اخلاصِ عمل" سے کی ہے۔
(قرطبیؒ، جلد ۱۵، صفحہ ۳۱۲۔ مظہری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استقامت کی تفسیر "فرائض کی ادائیگی" سے کی ہے۔
(قرطبیؒ، جلد ۱۵، صفحہ ۳۱۲)

اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی استقامت کی تفسیر میں وارد ہوئے ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ **استقامت ایک مختصر مگر جامع لفظ ہے**، جس میں تمام شرعی احکام پر عمل کرنا اور تمام حرام و مکروہ امور سے مکمل اجتناب شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ استقامت اختیار کرنا ان ساری بشارتوں کا مستحق بننے کا سبب ہے، اور ان بشارتوں کے حصول کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

لہٰذا، استقامت اچھے خاتمے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

اسی لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر یہ صفت پیدا کرے، تاکہ ہمیشہ کی کامیابی نصیب ہو، اور وہ ان عظیم خوشخبریوں کا مستحق بن سکے۔

(۳) تقویٰ

اچھے انجام (خاتمہ بالخیر) کا تیسرا سبب "تقویٰ" ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (سورۃ الطلاق : ۴)

ترجمہ : جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے!!

اس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کا یہ فائدہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے امور کو آسان بنادیتا ہے۔
اور یہاں "کام" کو عام رکھا گیا ہے، جس میں دنیا و آخرت کے تمام امور شامل ہیں۔

چونکہ آخرت کے معاملات تقویٰ کی برکت سے درست ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا خاتمہ بخیر ہوا ہے، کیونکہ آخرت کے معاملات کی بہتری کے لیے سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

لہٰذا تقویٰ اور پرہیزگاری کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

(۴) اچھے خاتمے (خاتمہ بالخیر) کا چوتھا سبب: وضو کے بعد مخصوص دُعاء پڑھنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، كُتِبَ فِي رَقٍّ، ثُمَّ طُبِعَ بِطَابَعٍ، فَلَمْ يُكْسَرْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواه الحاكم ج۱، ۵۶۴: والنسائی فی عمل الیوم واللیلۃ ص:۱۷۴)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا، پھر اس نے کہا

:سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ.

(اے اللہ! آپ پاک ہے، تیری حمد کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں)

تو یہ دُعاء ایک کاغذ پر لکھ دی جاتی ہے، پھر اس پر مہر لگائی جاتی ہے، اور قیامت تک وہ مہر نہیں توڑی جاتی۔"

ایک اور روایت میں آیا ہے : طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِطَابِعٍ ثُمَّ رُفِعَتْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَلَمْ تُكْسَرْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (عمل الیوم واللیلة ص: ۱۷۴)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ اس پر مہر ثبت فرما دیتا ہے، پھر وہ کاغذ عرش کے نیچے اٹھا لیا جاتا ہے، اور قیامت تک وہ مہر نہیں ٹوٹتی۔

یعنی وہ دُعاء محفوظ ہو جاتی ہے اور قیامت سے پہلے تک نہ کھولی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بندے کو اس عمل کا ثواب ضرور ملے گا، اور وہ عمل ضائع نہیں ہوگا۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دُعاء کی قبولیت اور اس نیک عمل کے اجر کا پکا وعدہ فرمایا ہے۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص یہ دُعاء وضو کے بعد پڑھتا ہے، اس کی موت ایمان پر ہوگی،

کیونکہ انسان کو نیکی کا ثواب اسی وقت دیا جاتا ہے جب اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

(۵) خاتمے کے اچھے ہونے کا پانچواں سبب یہ دُعاء پڑھنا ہے :

اَللّٰھُمَّ أَحۡسِنۡ عَاقِبَتِی فِی الۡأُمُورِ کُلِّھَا، وَأَجِرۡنِی مِنۡ خِزۡیِ الدُّنۡیَا، وَعَذَابِ الۡآخِرَةِ.

حدیث شریف میں آیا ہے: مَنۡ کَانَ ھٰذَا دُعَاءُہُ مَاتَ قَبۡلَ اَنۡ یُصِیبَہُ الۡبَلَاءُ (رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر ص: ۳۳ ج: ۲، کنزالعمال ص: ۸۹ ج: ۲ حدیث نمبر ۳۷۴۸))

یعنی: جو شخص یہ دُعاء کرتا ہو، وہ اس سے پہلے وفات پالیتا ہے کہ کوئی مصیبت اُسے پہنچے۔

یعنی زندگی میں اُسے کوئی بڑی مصیبت نہیں پہنچتی۔

اس حدیث میں "مصیبت" عام طور پر ذکر ہوئی ہے، جس میں دنیاوی اور دینی دونوں طرح کی آفات شامل ہیں۔

پس جب انسان ان تمام مصیبتوں سے محفوظ ہو جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خاتمہ بخیر ہو چکا ہے،
کیونکہ خاتمے کا بگاڑ (برے انجام پر مرنا) سب سے بڑی مصیبت ہے۔

لہٰذا اس دُعاء کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(٦)سونے کی دُعاء پڑھنا :

خاتمے کے اچھے ہونے کا ایک اور سبب سونے سے پہلے مخصوص دُعاء پڑھنا ہے،
کیونکہ اس دُعاء کی برکت سے انسان فطرت (اسلام) پر وفات پاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے، تو داہنے پہلو پر لیٹتے اور یوں دُعاء فرماتے :

اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ کلمات پڑھ کر رات کو سو جائے، اگر اسی رات اُس کا انتقال ہو جائے، تو وہ فطرت (اسلام) پر مرا۔

اورایک روایت میں حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ : صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص (اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ) سے فرمایا :

اے فلاں ! جب تم اپنے بستر پر آؤ، تو وضو کرو، ایسا وضو جیسا کہ نماز کے لیے" کیا جاتا ہے، پھر دائیں کروٹ لیٹ جاؤ، اور یہ دُعاء پڑھو **اللّٰھُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ... أَرْسَلْتَ** تک۔

پھر فرمایا: اگر اس رات تمہاری موت آجائے تو تم فطرت پر مرو گے، اور اگر صبح زندہ اٹھے، تو خیر و برکت کو پاؤ گے۔
(متفق علیہ، مشکاۃ المصابیح: ج ۱، ص ۲۰۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو یہ دُعاء پڑھتا ہے، اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

لہٰذا اس دُعاء کی پابندی کرنی چاہیے، کیونکہ اس میں دنیا و آخرت دونوں کی بڑی بھلائی چھپی ہوئی ہے۔

(۷)اذان کا جواب دینا حسنِ خاتمہ کا ایک اور ذریعہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن **اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ** کہے، تو تم میں سے کوئی بھی **اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ** ہی کہے۔ جب وہ **أَشْھَدُ أَنْ لاَ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ** کہے، تو وہ (بھی **أَشْھَدُ أَنْ لاَإِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ** ہی) کہے۔

(جب مؤذن **أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ** کہے، تو وہ (بھی **أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ** ہی کہے۔
جب وہ **حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ** کہے، تو وہ **لَاحَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ إِلاَّ بِاللّٰہِ** کہے۔
جب وہ **حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ** کہے، تو وہ **لَاحَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ إِلاَّ بِاللّٰہِ** ہی کہے۔
(پھر جب مؤذن **اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ** کہے، تو وہ (بھی **اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ** کہے۔
جب مؤذن **لَاإِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ** کہے، تو وہ بھی **لَاإِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ** دل سے کہے،
تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

(رواہ مسلم، ص:۱۶۷، ج:۱ / مشکاۃ المصابیح، ص:۶۵، ج:۱)

جنت میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوزخ سے بچا لیا گیا اور ابتدا ہی سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس دُعاء میں اتنا اثر ہے کہ یہ انسان کو جنت میں داخل کر دیتی ہے، بشرطیکہ کوئی اور مانع یا رکاوٹ موجود نہ ہو جو جنت میں داخلے سے روکنے والی ہو۔

اس حدیث میں بھی حسنِ خاتمہ کی خوشخبری دی گئی ہے، کیونکہ جنت میں داخلہ اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب کوئی ایمان پر دنیا سے رخصت ہو۔

(۸)اذان کے بعد دُعاء پڑھنا :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو، تو تم بھی اسی طرح کے کلمات کہو، پھر اذان ختم ہونے کے بعد مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

پھر میرے لیے وسیلہ یعنی اللہ کے قرب کا مقام مانگو، کیونکہ یہ ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا، اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔
تو جو شخص میرے لیے وسیلہ مانگے، اس کے لیے میری شفاعت حلال

ہو گئی۔

(رواہ مسلم، ص:۱۶۶،ج:۱ / مشکاۃ المصابیح، ص:۶۴،ج:۱)

وسیلہ مانگنے کی دُعاء کیسے پڑھے؟

یہ دُعاء اسی حدیث میں مذکور ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اذان سنے تو یہ دُعاء پڑھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ۔ تو قیامت کے دن میری شفاعت اس کے لیے واجب ہو جائے گی۔

(رواہ البخاری/مشکاۃ المصابیح، ص:۶۵،ج:۱)

حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ: حدیث میں الفاظ ہیں

اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) اس کے لیے شفاعت حلال ہو گئی۔

(۲) اس کے لیے شفاعت واجب ہو گئی۔

(مرقاۃ المفاتیح، ص:۱۶۱،ج:۲)

شفاعت واجب ہونے کا مطلب تو ظاہر ہے، اور "حلال ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر گناہوں کی وجہ سے اس پر شفاعت حرام ہو چکی ہو، تو اس دُعاء کے ذریعے وہ حلال ہو جائے گی۔

اس حدیث میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت دی گئی ہے، کہ اس دُعاء کا پڑھنے والا ایمان پر دنیا سے جائے گا۔

لہٰذا، اس دُعاء کا اہتمام کرنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس میں بہت بڑی خیر ہے، جس کا ضیاع کسی صورت مناسب نہیں۔

(۹) یہ دُعاء پڑھنا بھی حسنِ خاتمہ کا ایک سبب ہے :

رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِینًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مَنْ قَالَ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالإِسْلاَمِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولاً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .(رواه ابوداود ص : ۲۱۴، ج : ۱) .

یعنی جو شخص یہ کہے : **رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِینًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولاً**
(میں اللہ کو رب، اسلام کو دین، اور محمد ﷺ کو رسول مان کر راضی ہوں)
تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے : مَنْ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ رَضِيتُ بِاَللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَأَنَا الزَّعِيمُ لَآخُذَنَّ بِيَدِهِ حَتَّى أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ (رواه الطبراني في المعجم الكبير ص : ٣٥٥ ج : ٢٠) .

یعنی جو شخص صبح کے وقت یہ کہے : رَضِيتُ بِاَللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

تو میں خود ضامن ہوں کہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے جنت میں داخل کروں گا !!

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مَنْ قَالَ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا حِينَ يُمْسِي ثَلَاثًا وَحِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثًا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ الترمذی ص : ۱۷۶ ج : ۲ و احمد ص : ۳۰۳ ج : ۳۱).

یعنی : جو شخص صبح اور شام تین مرتبہ یہ دُعاء پڑھے رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ قیامت کے دن اسے راضی اور خوش کرے گا۔

اس دُعاء کا صبح وشام تین مرتبہ پڑھنا حسنِ خاتمہ کا مؤثر ذریعہ ہے۔

(۱۰) یہ دُعاء پڑھنا :

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دُعاء بکثرت پڑھا کرتے تھے : يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ
(!اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ)

میں نے (حضرت انس) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لاچکے ہیں، کیا آپ ہم پر بھی (دین سے پھرنے کا) اندیشہ رکھتے ہیں؟
آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، بے شک دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں (بلا کیفیت)، وہ جیسے چاہے انہیں پھیرتا ہے۔
(رواہ الترمذی وابن ماجہ/مشکاۃ المصابیح، ص: ۲۲، ج: ۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔
جس کے لیے وہ ہدایت کا ارادہ کرے، اُس کے دل کو ہدایت پر جما دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہے، اُس کے دل کو ہدایت سے موڑ دیتا ہے۔

لہٰذا، جو شخص چاہتا ہے کہ وہ مرتے دم تک ہدایت پر قائم رہے اور اُس کا خاتمہ ایمان پر ہو، تو اُسے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگنی چاہیے،

خاص طور پر یہی مذکورہ دُعاء، کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اس دُعاء کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

(۱۱) درج ذیل اعمال کرنا :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ہر انسان کو تین سو ساٹھ (۳۶۰) بندوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

پس اگر کوئی شخص اللہ اکبر، الحمد للہ، لاالٰہ الا اللہ، سبحان اللہ کہے، اللہ تعالٰی سے مغفرت طلب کرے، لوگوں کے راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی ہٹائے، نیکی کا حکم دے، یا برائی سے روکے — تو ان اعمال کے ذریعے وہ ان تین سو ساٹھ بندوں کا حق ادا کر دیتا ہے، اور وہ اس دن اس حال میں چلتا ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو جہنم سے بچا لیا ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم، مشکاۃ المصابیح، ص: ۱۶۸، ج: ۱)

اس حدیث مبارکہ میں بھی حسنِ خاتمہ کی خوشخبری دی گئی ہے۔

(۱۲) درج ذیل صفات کو اختیار کرنا :

۱۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا

۲۔ مومنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا

۳۔ کافروں کے مقابلے میں سختی اختیار کرنا

۴۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا

۵۔ دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرنا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (المائدة:۵۴)

ترجمہ : اے ایمان والو ! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، تو اللہ بہت جلد ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے اللہ محبت رکھتا ہوگا اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے، وہ مومنوں پر نرم دل ہوں گے، کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔

یہ آیت مومنوں کے لیے تسلی ہے کہ اگر کچھ لوگ دین سے پھر بھی جائیں، تو اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نقصان صرف انہی کو ہو گا، اور اللہ تعالیٰ دین کے تحفظ کے لیے ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن میں مذکورہ پانچ صفات موجود ہوں گی۔

یہ بھی واضح کیا گیا کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں، وہ کبھی دین سے مرتد نہیں ہو سکتا، کیونکہ مرتدین نے یہی صفات ترک کی تھیں، جس کے نتیجے میں وہ دین سے پھر گئے۔ (العیاذ باللہ)

(۱۳) مسلمان کی غیر موجودگی میں اس کا دفاع کرنا :

حدیث شریف میں آیا ہے: مَن رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبَةِ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ

(شعب الایمان للبیھقی، مشکاۃ المصابیح، ص: ۴۲۴، ج: ۲)

جو شخص اپنے بھائی کی غیر حاضری میں، اُس کی غیبت سے اُس کا دفاع کرے، تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ اسے جہنم سے آزاد فرما دے۔

اس حدیث میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔
کسی مسلمان کا اس کی غیر موجودگی میں دفاع کرنا ایک نہایت عظیم اور باعثِ ثواب عمل ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج اس پر عمل کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی ایک شخص کسی کے پیچھے بات کرتا ہے، تو بجائے اس کے کہ مخاطب اس بات کو رد کرے، وہ خود بھی دو چار جملے بڑھا دیتا ہے، اور یوں غیبت اور بہتان کی مجلس گرم ہو جاتی ہے۔

(۱۴) قرآن وسنت پر عمل کرنا :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : **تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ** (رواه مالك في المؤطاء ص: ۸۹۹ ج: ۲، مشكات ص: ۳۰ ج: ۱)

ترجمہ : میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان پر مضبوطی سے عمل کرتے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے !! اللہ کی کتاب اور : میری سنت۔

(۱۵) پنجگانہ نمازیں وقت پر اداء کرنا :

حدیث شریف میں آیا ہے

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد ﷺ! کیا تم جانتے ہو کہ ملأ اعلیٰ کن چیزوں پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا: کفارات (یعنی گناہوں کو مٹانے والے اعمال) پر۔

اور **کفارات** یہ ہیں :

نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا،

جماعت کی طرف پیدل جانا،

اور سردی کے وقت مکمل وضو کرنا۔

جو شخص یہ اعمال کرے گا، وہ خیر کے ساتھ زندگی گزارے گا، خیر کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا، اور اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہوجائے گا جیسے اُسے ماں نے ابھی پیدا کیا ہو۔

(رواہ الترمذی، مشکاۃ المصابیح، ص: ۷۰، ج: ۱)

اس حدیث میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔

(۱۶) صدقہ وخیرات دینا :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یقیناً صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور بری موت کو ٹال دیتا ہے۔

(رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ، الترغیب والترھیب، ص:۷، ج:۲)

(۱۷) اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- « يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي (رواہ البخاری ص:۱۱۰۱ ج:۲، ومسلم ص:۳۴۱ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے

میں اپنے بندے کے میرے بارے میں گمان کے مطابق" "ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھتا ہے کہ وہ میرے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا، مجھے معاف کرے گا اور مجھے ایمان سے محروم نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتا ہے۔

پس یہ بھی حسنِ خاتمہ کا ایک ذریعہ ہے۔

(۱۸) توبہ کرنا :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور ۳۱)

ترجمہ : اے مؤمنو! تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو، تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ!!

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ صرف اُن لوگوں کے لیے نہیں جو گناہ کر بیٹھے ہوں، بلکہ ہر شخص کو توبہ کرنی چاہیے — خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدعمل۔

کیونکہ توبہ ایک مستقل عبادت ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمنین کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور "مؤمنین" میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل ہیں، اُنہیں بھی حکم ہے کہ وہ توبہ کریں، تاکہ کامیاب ہوں۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان توبہ کے ذریعے کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

چنانچہ جو شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ کرتا رہے، اس کی خاتمہ بھی ایمان پر ہو گی، کیونکہ ایمان کے بغیر کامیابی کا تصور ممکن نہیں۔

انسانی جسم میں دل کا کردار اور اہمیت

انسان کے جسم میں سب سے اہم چیز دل ہے، اور دل میں جو کچھ ہوتا ہے، اسی پر انسان کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (النساء: ٦٣).

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں کیا کچھ ہے، اللہ اسے جانتا ہے۔ لہٰذا ان سے کنارہ کشی اختیار کرو، انہیں نصیحت کرو اور ان سے مؤثر اور اثر انگیز گفتگو کرو۔

منافقین کے ساتھ مختلف طرزِ عمل کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ ان کے دلوں کی کیفیت درست نہیں تھی، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی۔

انسان کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی اللہ کی رحمت کے نزول یا اس کے عذاب کا باعث بنتا ہے۔ اگر دل میں خیر ہو تو اس پر سکون اور رحمت نازل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام —رضی اللہ عنہم— کے بارے میں فرمایا: **لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. (الفتح:۱۸)**

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، اس نے ان کے دلوں کی کیفیت کو جان لیا، تو ان پر سکون نازل کیا اور انہیں ایک قریبی فتح سے نوازا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سکون اور رحمت کے نزول کا سبب دلوں کی درستی تھی، جو اللہ کے علم میں تھی۔

لہٰذا دل کی اصلاح اور درستی پر خاص توجہ دینا ضروری ہے۔ جتنا دل درست ہو گا، اتنا ہی انسان کو خیر حاصل ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ * وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (الأنفال:۷۰-۷۱)**

ترجمہ: اے نبی! ان قیدیوں سے کہہ دیجیے جو تمہارے قبضے میں ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں میں خیر پائے گا تو تمہیں اس سے بہتر عطا

کرے گا جو تم سے چھین لیا گیا، اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر وہ تم سے خیانت کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، اس لیے اللہ نے ان کو تم پر قابو پانے کی اجازت دے دی، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اسی طرح دل کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ جسم کے باقی اعضاء کا دارو مدار دل پر ہے۔ اگر دل درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور اگر دل خراب ہو جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.** (رواه البخاری ص:۱۳ ج:۱ ومسلم ص:۲۸ ج:۲)

ترجمہ: خبردار! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار! وہ دل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ.** (المدثر: ۴)

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اس آیت کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں:

کپڑوں کو اس لیے پاک رکھو کہ اللہ کی طرف بلانے والا نماز پڑھتا ہے، اس کے لیے لباس کی پاکی ضروری ہے۔ عمومی حالات میں بھی پاک لباس بہتر ہوتا ہے۔

اپنے اعمال کو شرک، ریاکاری اور دکھاوے سے پاک رکھو۔

اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤ اور دعوت کا حق اداء کرو۔

اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کرو۔

اپنے دل کو غیر اللہ سے تعلق سے پاک رکھو۔

اپنے کپڑے حرام مال سے نہ بناؤ۔

اپنے دین کو شرک اور بدعت سے پاک رکھو۔

ان تمام تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ ان سب کا ایک ہی مفہوم بنتا ہے: دل کو پاک رکھنا۔

دل کی صفائی بہت ضروری ہے کیونکہ دل ہی انسان کی کامیابی یا ناکامی کا اصل مرکز ہے۔ دل جسم کا بادشاہ ہے اور باقی اعضاء اس کے لشکر کی مانند ہیں۔ جب بادشاہ درست ہو، تو لشکر بھی درست ہوتا ہے، اور اگر بادشاہ بگڑ جائے، تو لشکر بھی بگڑ جاتا ہے۔

بدقسمتی سے اکثر لوگ ظاہری اعمال میں مشغول ہوتے ہیں مگر دل کی اصلاح سے غافل ہوتے ہیں، حالانکہ دل ہی اصل بنیاد ہے۔

لوگوں کے درمیان جو بھی مسائل اور فتنے ہوتے ہیں، ان کی جڑ بھی دل ہی ہوتا ہے۔

دل کی اصلاح دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ، إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء: ۸۸،۸۹)

ترجمہ: جس دن نہ مال فائدہ دے گا، نہ اولاد، مگر وہی کامیاب ہوگا جو اللہ کے پاس پاکیزہ دل لے کر آئے۔

دوسری جگہ فرمایا : مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ (سورة ق : ۳۳).

ترجمہ: جو شخص غیب میں رحمٰن سے ڈرتا رہا اور انابت والے دل کے ساتھ (اس کے پاس) آیا۔

دل کی اصلاح انسان کی کامیابی کے لیے بے حد ضروری ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ-صلی اللہ علیہ وسلم-: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (رواہ مسلم ص:۳۱۷ ج:۲، مشکاۃ المصابیح ص:۴۵۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ—رضی اللہ عنہ—سے روایت ہے کہ رسول اللہ—صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے حسن یا دولت کی بنیاد پر جنت یا جہنم کا فیصلہ نہیں کرتا، بلکہ دل اور نیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اگر عمل کے پیچھے اخلاص نہ ہو تو وہ عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتا۔

منافقین ظاہری طور پر عبادت کرتے تھے، مگر چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا، اس لیے اللہ نے ان کے اعمال کو مسترد کر دیا اور انہیں جہنم کے نچلے طبقے میں رکھا۔

فتنوں کا آغاز بھی دل سے ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فتنے دلوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ جو دل ان کو قبول کر لیتا ہے، اس پر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، اور جو انکار کرتا ہے، وہ صاف و شفاف رہتا ہے۔
یہاں تک کہ دل دو طرح کے ہو جاتے ہیں: ایک سیاہ دل، دوسرا سفید دل۔

علماء لکھتے ہیں کہ اصل آزمائش یہ نہیں کہ انسان ظاہراً قید میں ہو یا تکالیف میں مبتلاء ہو، بلکہ سب سے بڑی آزمائش دل کی آزمائش ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (الانفال: ۲۴)**

ترجمہ: جان لو! اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

مفسرین کے مطابق اللہ بعض لوگوں کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، بعض کو عبادت سے روک دیتا ہے اور بعض کو گناہوں سے بچا لیتا ہے۔

اکثر آزمائشیں دل کے وقت پیش آتی ہیں، خاص طور پر جب انسان عبادت کرتا ہے تو شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے تا کہ اس کا اخلاص ختم ہو جائے اور عمل ضائع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (الفرقان: ۲۳)**

ترجمہ: ہم ان کے اعمال کے پاس آئیں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے، اور انہیں بکھری ہوئی دھول بنا دیں گے۔

یعنی ان کے نیک اعمال بھی ضائع کر دیے جائیں گے، کیونکہ ان کے دلوں میں اخلاص نہ تھا، اور وہ شرک میں مبتلاء تھے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو ہر عمل کے وقت دل کی حالت کا خاص خیال رکھنا چاہیے تاکہ اس کا عمل ضائع نہ ہو۔

دل کی مثال سمندر جیسی ہے، جس میں طرح طرح کے خیالات اور کیفیات پائی جاتی ہیں؛ کچھ اچھے اور کچھ برے۔ دل کی بیماریاں یہ ہیں: غفلت، کجی، سختی، نفاق، ریاء، حسد، کینہ، بدگمانی، تکبر اور شکوک و شبہات۔

یہ تمام امراض دل کو سیاہ کر دیتے ہیں۔
اللہ رب العزت ہمارے دلوں کو پاک و صاف کرے تاکہ ہم دنیا و آخرت کی دائمی کامیابی حاصل کریں۔

دل کی سختی کے اثرات

اگر ہم اپنے حالات اور اپنے نفس پر غور کریں، تو ہمیں یہ حقیقت واضح طور پر دکھائی دے گی کہ ہمارے بیشتر اعمال میں بہت سی کوتاہیاں اور نقصان دہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر :
ہماری نمازوں میں خشوع و خضوع کا فقدان ہے، قرآنِ کریم کی تلاوت کے دوران ہم اس سے وہ اثر نہیں لیتے جو لینا چاہیے، نہ آنکھوں میں آنسو

آتے ہیں،

کاروبار میں مشتبہ چیزوں سے بچنے کی فکر اور کوشش دکھائی نہیں دیتی،

دوسروں کے حقوق کی پامالی اور ظلم ہمارے اندر موجود ہے،

بھائیوں کے درمیان بدگمانی پائی جاتی ہے، اور گھروں میں اختلافات اور جھگڑے عام ہیں۔

ان تمام نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ایک نہایت خطرناک بیماری موجود ہے، اور وہ ہے : قساوت قلب (دل کا سخت ہو جانا)

دل کی سختی ایک نہایت بری بیماری ہے، جو پچھلی گمراہ قوموں میں ظاہر ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بُرے وصف کی وجہ سے ان کی مذمت کی اور مؤمنین کو حکم دیا کہ وہ ان جیسے نہ بنیں، اور اس مہلک بیماری سے اپنے آپ کو بچائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (سورة الحديد : ١٦)

ترجمہ : اور (مؤمنوں کو) ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا، تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق بن گئے۔

یعنی مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ پچھلی کتابی امتوں کی مشابہت سے بچیں، کیونکہ ان کے دل سخت ہو چکے تھے، وہ نہ نصیحت قبول کرتے تھے اور نہ ہی دین کی طرف واپس لوٹتے تھے۔

ان میں سے اکثر لوگ فاسق تھے، یعنی دل کی سختی سب میں تھی، البتہ بعض نے توبہ کرلی، لیکن زیادہ تر نے توبہ بھی نہ کی۔

ایک روایت میں آیا ہے : إِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي (رواه الترمذی ص : ٦٦ ج : ٢، رياض الصالحين ص : ٣٣٦)

ترجمہ: اللہ سے سب سے زیادہ دُور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔

سنگدل انسان حق اور باطل میں فرق نہیں کر سکتا، وہ نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور نہ ہی اسے قبول کرتا ہے، وہ حق کو سننے کو تیار نہیں ہوتا، اور اسے اللہ کی عبادت میں لطف محسوس نہیں ہوتا۔

دل کی سختی کا علاج

اسلام نے دل کو بڑی اہمیت دی ہے، اور انسان کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے جسم کے اس نہایت اہم عضو کی اصلاح اور علاج کے لیے بھرپور کوشش کرے۔

دل کی سختی کے خاتمے کے لیے چند علاج موجود ہیں، جنہیں اپنانے سے، ان شاء اللہ تعالیٰ، دل میں نرمی پیدا ہو سکتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنا اور دُعائیں کرنا۔

(۲) محتاجوں کو کھانا کھلانا۔

(۳) یتیموں پر شفقت اور رحم کرنا :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهِ فَقَالَ امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَأَطْعِمْ الْمِسْكِينَ (رواہ احمد ص :۵۵۸ ج:۱۴، مشکاۃ المصابیح ص:۴۲۵ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ —رضی اللہ عنہ— سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ —صلی اللہ علیہ وسلم— سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

حضرت ابودرداء —رضی اللہ عنہ— سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ —صلی اللہ علیہ وسلم— کے سامنے اپنے سخت دل ہونے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا : أَتُحِبُّ أَنْ يَلِينَ قَلْبُكَ وتُدْرِكَ حاجَتَكَ ارْحَمِ اليَتِيمَ وامْسَحْ رَأْسَهُ وأَطْعِمْهُ مِنْ طَعامِكَ يَلِنْ قَلْبُكَ وتُدْرِكُ حاجَتَكَ؟ ارْحَمْ الْيَتِيمَ

وَامْسَحْ رَأْسَهُ وَأَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِكَ يَلِينُ قَلْبُكَ ,وَتُدْرِكُ حَاجَتَكَ}(رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ : کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تم اپنی حاجت حاصل کر لو؟
یتیم پر رحم کرو، اس کے سر پر ہاتھ پھیرو، اور اپنے کھانے میں سے اسے بھی کھلاؤ۔ تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری ضرورت بھی پوری ہو گی۔

(۴)فرض نمازوں کی پابندی کرنا۔

(۵)حلال روزی کی کوشش کرنا اور امانت داری سے کام لینا۔

(۶)نفل نمازوں اور دیگر عبادات میں اضافہ کرنا۔

(۷)دل کی نرمی کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔
جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اس کا دل سخت نہیں ہوتا۔ جتنا کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہو گا، اتنا ہی اس کا دل سخت ہوتا جائے گا۔

(۸)گفتگو کو کم کرنا: یہ بھی دل کی نرمی کے لیے نہایت مؤثر عمل ہے۔

(۹) زیادہ مذاق اور فضول ہنسی مذاق سے بچنا: اسی لیے نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے پوری زندگی میں صرف بیس لطیفے نقل ہوئے ہیں، حالانکہ آپ کا مزاح بھی حق ہوتا تھا۔

(۱۰) موت کو یاد رکھنا: موت کی یاد انسان کو گناہوں سے روک دیتی ہے اور دل میں نرمی پیدا کرتی ہے۔

(۱۱) قبروں کی زیارت کرنا: قبروں کی زیارت دل کو نرم کرتی ہے، کیونکہ اس کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو آخرت یاد آجائے اور دنیا سے محبت کم ہو جائے۔
جب دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے، تو دل خود بخود نرم ہونے لگتا ہے۔

(۱۲) جنازوں میں شرکت کرنا۔

(۱۳) سخاوت کرنا اور لوگوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔

(۱۴) کثرت سے توبہ و استغفار کرنا اور گناہ پر اصرار نہ کرنا۔

(۱۵) دینی علم اور ذکر کی مجالس میں شرکت کرنا۔

(۱۶) نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور علماء کی سیرت پر غور کرنا۔

(۱۷) دنیا سے محبت کم کرنا، دنیاوی زندگی کی بے ثباتی پر غور کرنا، حالات کے بدلنے پر تدبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ان نعمتوں کی طرف رغبت رکھنا جو اُس نے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

(۱۸) مریضوں، مصیبت زدہ لوگوں اور مرنے کے قریب افراد کی عیادت کرنا اور ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنا۔

(۱۹) قرآنِ کریم کی تلاوت غور و فکر کے ساتھ کرنا۔

دل کیوں سخت ہو جاتا ہے؟

دل کی سختی (قساوتِ قلب) کے اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) قرآنِ کریم اور ذکرِ الٰہی سے روگردانی اور بے رُخی اختیار کرنا۔

(۲) فرائض کی ادائیگی میں سستی اور کوتاہی کرنا۔

(۳) حرام مال کھانا۔

(۴) گناہوں کا ارتکاب کرنا۔

(۵) جہالت اور نادانی پر راضی رہنا، اور علم حاصل نہ کرنا۔

(۶) تکبر اور خود پسندی۔

(۷) بے جا بحث و مباحثہ اور مناظروں میں مشغول ہونا۔

(۸) بداخلاقی اختیار کرنا۔

(۹) زیادہ کھانا۔

(۱۰) ضرورت سے زیادہ سونا۔

(۱۱) فضول اور بے فائدہ باتیں کرنا۔

ایک حدیث مبارک میں آیا ہے : لَا تُكْثِرُوا الكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ تَعَالَى قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ ! وإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ القَلْبُ القَاسِي . (رواه الترمذی ص : ٦٦ج : ٢)
ترجمہ: اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ بات کرنا دل کی سختی کا باعث بنتا ہے۔ اور یقیناً لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دُور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔

(۱۲) لوگوں سے ضرورت سے زیادہ میل جول اور اختلاط
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں : دل چار چیزوں کی زیادتی سے سخت ہوتا ہے: کھانے، سونے، بولنے، اور لوگوں سے زیادہ میل جول سے۔
(الفوائد، ص ١٦٧)

(۱۳) لمبی امیدیں باندھنا۔

(۱۴) غیر اللہ سے دل کا تعلق رکھنا

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دل کو پانچ چیزیں تباہ کرتی ہیں
(۱) زیادہ اختلاط (لوگوں سے غیر ضروری میل جول)
(۲) لمبی امیدیں،
(۳) غیر اللہ سے تعلق،
(۴) پیٹ بھر کر کھانا،
(۵) زیادہ سونا۔
(مدارج السالکین، ج ۱، ص ۳۴۳)

بعد میں، ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان تمام باتوں کی تفصیل اور اسباب بیان کیے ہیں۔

پس، اگر کوئی شخص ان اسباب سے بچ جائے جو دل کی سختی کا سبب بنتے ہیں، تو **ان شاء اللہ تعالیٰ** اس کا دل سخت نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو سالم، پاکیزہ اور نرم دل بنائے۔

نوٹ: مضمون کے طویل ہونے کے خدشے کی وجہ سے ہر سبب کی تفصیل نہیں لکھی گئی۔

حسد اور کینہ

ایک مسلمان کا وصف یہ ہونا چاہیے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے بھلائی کا خواہاں ہو، اور دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دے۔
اسی لیے ایک سچا مسلمان حسد کرنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ دوسروں کے لیے خیر خواہی کرنا اور حسد و کینہ رکھنا باہم متضاد صفات ہیں۔

حسد (کینہ) دو قسم کا ہوتا ہے:

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم، مال یا اقتدار عطا کیا ہو، اور دوسرا شخص چاہے کہ کاش یہ نعمت اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔

دوسرے سے صرف یہ خواہش کرنا کہ اس کی نعمت زائل ہو جائے، خواہ وہ نعمت مجھے ملے یا نہ ملے۔

یہ دونوں قسمیں ناجائز اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ حسد دراصل اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنا ہے۔ جب اللہ نے کسی کو کوئی نعمت عطا کی ہے، تو اس پر ناراض ہونا گویا (نعوذ باللہ) اللہ کے فیصلے پر اعتراض کرنا ہے۔

بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں، دوستوں یا کاروباری ساتھیوں کو خوش حال دیکھ کر دل میں تنگی محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان سے یہ نعمتیں چھن جائیں۔ یہی بری عادت "حسد" کہلاتی ہے، اور جو اس کا مرتکب ہوتا ہے اسے "حاسد" کہا جاتا ہے۔

حاسد کی خرابیوں میں سے چند یہ ہیں :

(۱) اللہ تعالی کے تقسیم پر ناراض ہے

(۲) حاسد دوسروں کی بربادی چاہتا ہے، دوسروں کے نقصان پر خوش اور ان کی کامیابی پر غمگیں ہوتا ہے۔

(۳) حاسد شخص اپنی بہتری کے لیے کوئی مثبت کوشش نہیں کر پاتا، کیونکہ وہ ہر وقت دوسروں کی تباہی کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔

اسی وجہ سے حاسد سُست اور ناکام ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات سے محروم رہتا ہے، اور جب دوسروں کو کامیاب دیکھتا ہے تو ان کے خلاف غیبت، چغلی، شکایت اور الزام تراشی جیسے گناہوں میں مبتلاء ہوتا ہے تاکہ ان کی ترقی میں رکاوٹ ڈالے۔

ظاہری طور پر تو حسد ایک گناہ ہے، لیکن حقیقت میں یہ کئی دوسرے گناہوں کو جنم دیتا ہے۔

(۴)حسد یہود و نصاریٰ کا عمل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بہت سے انعامات فرمائے، جن میں ایمان اور قرآن جیسی نعمتیں شامل تھیں۔ اس پر یہود و نصاریٰ نے حسد کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام حق دین ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے : أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (الآية ،النساء :۵۴)

ترجمہ: کیا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے ؟

ایک اور جگہ فرمایا : وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (الآية، البقرة : ۱۰۹)

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک بڑی تعداد یہ چاہتی ہے کہ وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں، صرف اس حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں ہے، حالانکہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے۔

پس حسد و کینہ یہود و نصاریٰ کی عادت ہے، مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے۔
بلکہ مسلمان کا وصف یہ ہونا چاہیے کہ دوسرے مسلمان کی خوشی میں خوش اور اس کے غم میں غمگین ہو۔

(۵) حسد عبادات کو برباد کر دیتا ہے۔ ایک شخص محنت سے نیک اعمال کرے، پھر انہیں خود ہی برباد کر دے، یہ کتنی بڑی محرومی ہے۔

(۶) حاسد ہر وقت پریشانی اور ذہنی اذیت میں مبتلاء رہتا ہے۔ دوسروں کی خوشی اسے غم دیتی ہے، یہ اس کی بد عملی کی دنیاوی سزا ہے۔

(۷) حسد سے حاسد کو سوائے غم اور پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(۸) حاسد کو خوش کرنا ممکن نہیں، وہ صرف اسی وقت خوش ہوتا ہے جب محسود سے وہ نعمت چھن جائے جس پر وہ حسد کر رہا ہے۔

(۹) تفسیر قرطبیؒ میں ہے : الحَسَدُ أَوَّلُ ذَنْبٍ عُصِيَ اللّٰهُ بِهِ فِي السَّمَاءِ، وَأَوَّلُ ذَنْبٍ عُصِيَ بِهِ فِي الأَرْضِ، فَأَمَّا فِي السَّمَاءِ فَحَسَدُ إِبْلِيسَ لِآدَمَ، وَأَمَّا فِي الأَرْضِ فَحَسَدُ قَابِيلَ لِهَابِيلَ۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص: ۲۴۱ ج: ۵)

ترجمہ: حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے آسمان میں اللہ کی نافرمانی ہوئی (جب ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا)، اور زمین میں بھی پہلا گناہ یہی تھا (جب قابیل نے ہابیل سے حسد کیا)۔

(۱۰) بعض عقلمندوں نے کہا: حاسد پانچ طریقوں سے اللہ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے :

(۱)وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کو برا سمجھتا ہے۔

(۲)اللہ کے فیصلے پر ناراضی ظاہر کرتا ہے۔

(۳)اللہ کے فضل کے منکر کی طرح دوسروں کے نعمتیں ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔

(۴)وہ چاہتا ہے کہ اللہ کے بندوں سے نعمتیں چھن جائیں اور وہ ذلیل ہوں۔

(۵)وہ حسد کے ذریعے شیطان کا مددگار بن جاتا ہے۔

حسد کے علاج کی چند تدابیر

اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگنا کہ: اے اللہ! مجھے اس بری خصلت سے نجات عطا فرما۔

جس سے حسد ہو، اس کے لیے دل سے دُعاء کرو کہ اللہ اسے مزید خیر عطا فرمائے۔

یہ سوچو کہ حسد سے خود ہی نقصان اٹھا رہا ہوں، نہ صرف عبادات ضائع ہو رہی ہیں بلکہ بلا وجہ پریشان بھی رہتا ہوں۔

یہ خیال کرو کہ وہ نعمت تو اللہ نے دی ہے، میں اس سے حسد کیوں کر رہا ہوں؟

اگر یہ امور اپنائے جائیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ حسد جیسی بری بیماری سے نجات حاصل ہو گی۔

حلال اور حرام مال ایک آزمائش ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے، اسی طرح ان کی روزی کی ذمہ داری بھی خود لی ہے۔
اللہ تعالیٰ کسی کو بھی ایسا نہیں چھوڑتا کہ اُسے رزق نہ دے، چاہے وہ اس کا سخت ترین دشمن اور نافرمان ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں، اسی لیے وہ اسے اپنے دوست اور دشمن دونوں کو عطا فرماتا ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے :

عن سهلِ بن سعد الساعدی - رضی الله عنه -، قَالَ: قَالَ رسول الله - صلی الله علیه وسلم -: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، مَا سَقَى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ. (رواه الترمذی ص:۵۸ ج:۲ وقال: حدیث حسن صحیح).

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی، تو وہ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔''

جس طرح رزق عطا کرنا اللہ کا کام ہے، اسی طرح اس میں کشادگی یا تنگی دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔
لہذا رزق کی زیادتی یا مال کی فراوانی عقل مندی کی علامت نہیں، بلکہ اکثر بے وقوف لوگوں کے پاس عقلمندوں سے زیادہ مال ہوتا ہے۔

میری بات کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا اصل مقصد دنیا میں مال کمانا اور دولت جمع کرنا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا، اُسے راضی کرنا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے، اور انسان کا یہاں آنا آزمائش کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسانوں میں سے فرماں بردار اور نافرمان کو واضح کر دے۔

اسی طرح روزی کے معاملے میں بھی انسانوں کو آزمایا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں حرام قرار دی ہیں اور کچھ طریقوں سے روزی کمانے سے منع فرمایا ہے۔
اسی طرح کچھ چیزوں کو حلال قرار دیا اور ان کے حاصل کرنے کے لیے خاص طریقے اور حدود مقرر کیے۔

پھر انسان کو اختیار دیا (اگرچہ وعدہ ہے کہ روزی اللہ ہی دیتا ہے) کہ وہ کس راستے سے رزق حاصل کرتا ہے، کس ذریعے کو چنتا ہے، اور کس طریقے سے کاروبار کرتا ہے۔

دوسری طرف ایک اور آزمائش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام مال کو وافر مقدار میں پیدا فرمایا ہے۔

حرام مال کی مثال ایسے مردار جانور کی سی ہے جس کی نہ کوئی قدر ہوتی ہے، نہ کوئی اسے گھر میں برداشت کرتا ہے، بلکہ لوگ اسے پھینک دیتے ہیں۔
اسی طرح حرام مال بھی گویا اللہ کی طرف سے پھینکا ہوا مال ہے۔

اگر کوئی اُسے حاصل کرتا ہے، تو وہ حلال مال کے مقابلے میں آسانی سے مل جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں، یہاں تک کہ وہ اس میں سے صدقہ بھی قبول نہیں فرماتا۔

اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اصل مقصدِ زندگی کو پہچانے اور روزی حاصل کرنے کے لیے صرف درست اور جائز طریقے اپنائے۔

کیونکہ دین صرف پانچ وقت کی نماز کا نام نہیں ہے، بلکہ انسان پر لازم ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت کی پابندی کرے۔

شریعت کے بہت سے احکام معاملات سے متعلق ہیں۔
،جو کہ ہمارے فقہی مکتبہ فکر کی معتبر "ہدایہ" اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ کتاب ہے، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں انسان کے اعمال سے متعلق تقریباً تمام دینی احکام درج ہیں۔

ان میں صرف پہلی جلد عبادات (وضو، نماز، زکات، حج) پر مشتمل ہے، باقی تین جلدیں مکمل طور پر معاملات سے متعلق ہیں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض عبادات کی ادائیگی سے دین پر مکمل عمل نہیں ہوتا، جب تک کہ معاملات بھی شریعت کے مطابق نہ ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

ہمارے نبی کریم ﷺ آخری رسول ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ مکمل ہوا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا دین عطا فرمایا جو پوری انسانیت کے لیے نجات دہندہ ہے، اور قیامت تک تمام انسانوں کے لیے اسی دین کی پیروی لازم قرار دی گئی ہے۔
زندگی کے ہر شعبے میں اس دین کی پاکیزہ ہدایات اور راہنمائیاں موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری یہ تھی کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور برے اعمال، فاسد عقائد، اور جاہلانہ رسم و رواج سے روکیں۔
یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کا فریضہ تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے، تو یہ ذمہ داری امت کے سپرد کر دی گئی۔ اب امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس مشن کو آگے بڑھائے، لوگوں کو صحیح عقائد، نیک اعمال اور حسنِ اخلاق کی طرف بلائے اور برے کاموں سے روکے۔

یہ ایک نہایت اہم فریضہ ہے، جس کی طرف بھرپور توجہ دینا ضروری ہے، کیونکہ اسی میں امت کی کامیابی ہے، اور اس سے غفلت امت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

خصوصاً آج کے دور میں، جب فتنوں کا سیلاب امڈ آیا ہے، اور دنیا میں باطل نظریات کے پیروکار کثرت سے موجود ہیں، جو اپنے گمراہ کن خیالات اور فاسد عادات کو پھیلانے کے لیے سرگرم ہیں، تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کریں اور مسلمانوں کے عقائد، اخلاق اور اعمال کو خراب کریں۔

ایسے حالات میں، خاص طور پر اُن لوگوں کے لیے جو دین کا علم رکھتے ہیں، یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے غفلت نہ برتیں اور اس میدان میں اپنی جدوجہد کو تیز کریں۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بارہا تاکید فرمائی ہے، حتیٰ کہ بعض آیات میں تو اس فریضے کا ذکر ایمان (جو اسلام کی بنیاد ہے) سے بھی پہلے کیا گیا ہے۔
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نہایت ضروری فریضہ ہے، جس سے غفلت روا نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو، جو لوگوں (کے فائدے) کے لیے پیدا کی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

امر بالمعروف ونہی) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دعوت عن المنکر) کا ذکر ایمان سے بھی پہلے کیا ہے، اور اسی کو امت کے خیر وفضیلت کا سبب بھی بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اولِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ .(التوبة:۷۱)

ترجمہ: اور مؤمن مرد و مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کے درمیان محبت اور دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنتا ہے۔

جو شخص لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے، اور وہ اللہ کی رحمت کا اہل بن جاتا ہے۔

اور جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے، اس کی کامیابی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

لہذا، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس اہم فریضے کو انجام دے اور اس بارے میں سستی نہ کرے۔

نیکی کی طرف دعوت دینا اور برائی سے روکنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے، اور برائی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں ان لوگوں کے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے جو نیکی کی دعوت دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ وہی لوگ کامیاب ہیں۔

حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا : فَوَاللهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رجلاً واحداً خيرٌ لكَ مِن حُمْرُ النّعَم (رواه البخاری ص:۶۰۶ ج: ۲)

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر اللہ تیرے ذریعے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں (یعنی قیمتی مال) سے بہتر ہے۔

اس دور میں اونٹ سب سے قیمتی سرمایہ تصور کیا جاتا تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اسی کی مثال سے دعوت الی اللہ کی فضیلت واضح فرمائی کہ یہ دنیا کے کسی بھی قیمتی مال سے بہتر عمل ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے : **مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ** .(رواہ مسلم ص: ۱۳۷ ج: ۲، مشکات ص ۳۳ ج:۱)

ترجمہ: جو کسی کو بھلائی کی طرف رہنمائی کرے، اس کے لیے بھی وہی اجر ہے جو اس عمل کو انجام دینے والے کو ملتا ہے۔

کیونکہ نیکی کی طرف دعوت دینا خود نیکی ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس دعوت کے ذریعے عمل کرے، تو دعوت دینے والا بھی اس کے اجر میں شریک ہوتا ہے۔

(اس موضوع پر بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں، مگر طوالت سے بچنے کے لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے)۔

ہم اپنی زندگی کیسے گزاریں؟

اللہ تعالیٰ کا خوف آخرت کے لیے زادِ راہ ہے، اور اسی میں انسان کی کامیابی اور نجات پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں فرماتے ہیں : وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ. (البقرة:۲۸۱)

ترجمہ: اس دن سے ڈرو جس میں تم سب کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

یعنی اگر چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ ہو، تو دنیا میں ہوشیار رہو، اور تقویٰ اختیار کرو۔

انسان کو اس مبارک آیت پر غور کرنا چاہیے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا، اور سب کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔
ایسے میں اگر کسی کے ساتھ گناہوں کا بوجھ ہو، تو وہ کس قدر پریشان ہوگا؟
وہ ایک دن ہوگا جب عدل کی عدالت قائم ہوگی، جہاں نہ کوئی چھپ سکے گا اور نہ ہی کسی کا عمل چھپایا جا سکے گا۔

لہٰذا ہمیں آج ہی ان حالات کی فکر کرنی چاہیے، اور اس دن کے لیے تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ جب وہ دن آ جائے گا، تو کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے، اس کے دین پر مضبوطی سے قائم رہے، اور جب تک زندہ ہے، دین کی پابندی کرتا رہے۔
زندگی کے ہر لمحے میں اس کا یہ نصب العین ہونا چاہیے کہ میں اپنے رب کو کیسے راضی کر سکتا ہوں، اور اپنے اس عظیم مقصد تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔

اپنی زندگی میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص نیت، سچی بندگی اور مکمل عبادت کے ساتھ متوجہ ہونا چاہیے۔
اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو، سوائے اللہ کی رضاء اور اس کی عبادت کے۔
دنیا کا مال واسباب، اور دنیا کی رنگینیاں اسے آخرت کی تیاری اور نجات کے لیے زادِراہ جمع کرنے سے غافل نہ کر دیں۔

جو شخص ایسا کرے، وہ صالحین اور نیک لوگوں کے راستے پر گامزن ہے۔
ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا :

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور:۳۷.)

ترجمہ: کچھ مرد ایسے ہیں جنہیں نہ تجارت اور نہ ہی خرید و فروخت اللہ کے ذکر، نماز کے قیام اور زکات کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔

یعنی وہ نیک لوگ اگرچہ تجارت و خرید وفروخت میں مشغول ہیں، لیکن یہ چیزیں انھیں اللہ کے ذکر اور عبادت سے نہیں روکتیں، بلکہ وہ اللہ کے سچے بندے ہوتے ہیں جو ہر وقت تقویٰ اور خداخوفی میں زندگی گزارتے ہیں۔

یہی ایک سچے مسلمان کی صفت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے دن ورات غنیمت سمجھ کران میں ایسے اعمال کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں آخرت کا گھر تلاش کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی زندگی صرف آخرت کی ابدی کامیابی کے لیے ایک ذریعہ ہے۔
یہ زندگی نہ تو مقصود ہے اور نہ ہی قابلِ اعتماد، بلکہ ایک فانی سایہ ہے، جس سے نیک وبد سب کو گزرنا ہے۔

اصل وطن تو آخرت ہے، رہنے کی جگہ قبر ہے، اور محنت و کمائی کی جگہ یہی دنیا ہے۔
اس دنیا میں اگر کسی کی عمر جتنی بھی لمبی ہو، آخر کار ختم ہونے والی ہے۔
دنیا آخرت کی طرف ایک پل ہے، جس پر چل کر یا تو جنت تک پہنچا جاسکتا ہے یا (العیاذ باللہ) دوزخ کی طرف۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحدید:۲۰)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل، تماشا، زیب وزینت، آپس میں فخر، اور مال واولاد کی کثرت کی دوڑ ہے۔

اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جس سے اگنے والی فصل کسانوں کو خوش کرتی ہے، پھر وہ خشک ہوجاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔

اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے، اور اللہ کی مغفرت و رضاء بھی۔ اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ.(الحدیث، رواہ مسلم ص: ۳۵۳ ج: ۲).

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک دنیا خوش رنگ اور میٹھی ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلافت دے رہا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

لہٰذا دنیا سے بچو، اور عورتوں سے بھی بچو !!

یعنی ان دونوں کے فتنوں میں نہ پڑو اور ان کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔)

یہ قرآنی آیات اور نبوی ارشادات دنیا کی حقیقت کو بہت عمدگی اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔
ان سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، نفس کی اصلاح اور تقویٰ کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔
خواہشاتِ نفس کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔

یہ اسلام ہرگز نہیں کہتا کہ دنیاوی کاموں کو چھوڑدو، بلکہ یہ کہتا ہے کہ دنیاوی مصروفیات تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں، اور ان کاموں میں تمہیں اللہ کے احکام کا خیال رکھنا چاہیے، حلال و حرام میں فرق ملحوظ رکھو۔

سب سے زیادہ ڈرنے کی بات یہ ہے کہ ہم دنیا کے دھوکے میں آکر آخرت کو فراموش کردیں۔
کیونکہ جب دنیا کی محبت دل پر چھا جاتی ہے، تو اللہ کا ذکر دل سے نکل جاتا ہے۔
اور جب اللہ کا ذکر انسان کے دل سے نکل جائے، تو اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ہلاکت کی گہری کھائی میں جا گرتا ہے۔

یہی دنیا کی محبت ہے جس نے بعض لوگوں کو ایمان سے ہٹا دیا، اور وہ مرتد ہو گئے (العیاذ باللہ)۔

اسی محبتِ دنیا نے بہت سی تباہیاں پیدا کی ہیں۔

غیبت، جھوٹ، بہتان اور دیگر بے شمار گناہ اسی محبتِ دنیا کی پیداوار ہیں۔

اسی کی وجہ سے انسان بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلاء ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں اور آپ کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ یہ دنیا ختم ہونے والی ہے، اور اس کے بعد ہمارے ہر عمل کا حساب ہونے والا ہے۔

اس لیے دنیا کی مصروفیات ہمیں آخرت کی تیاری سے غافل نہ کریں۔

شیطان کے آنے کے راستے

شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے بہت سے طریقے استعمال کرتا ہے، لیکن مسلمانوں کو گمراہی میں ڈالنے کے لیے بالعموم دو راستے اپناتا ہے:

پہلا راستہ :

اگر مسلمان گناہگار ہو، دین کے احکام میں سستی اور غفلت میں مبتلاء ہو، تو شیطان اس کے لیے گناہوں اور نفسانی خواہشات کو خوشنما بنا دیتا ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے غافل ہو جائے۔

اور اگر اس کے دل میں توبہ کا رجحان پیدا ہو، تو اسے وسوسہ دیتا ہے کہ
ابھی تم جوان ہو، زندگی بہت باقی ہے، بعد میں بڑھاپے میں توبہ کر لینا،
یا پھر یہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تو غفور و رحیم ہے، وہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

ایسے دھوکہ دہ وسوسوں کے ذریعے شیطان انسان کو اللہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، لیکن انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی مغفرت اور رحمت حاصل کرنے کے اسباب اختیار کرے۔
ایسے اعمال کرے جن کے نتیجے میں اللہ کی رحمت کے لائق بن سکے۔

اگر کوئی شخص بغیر عمل کیے صرف اللہ کی رحمت پر امید رکھے، تو یہ نادانی اور جہالت ہے۔

جیسے: اگر کوئی گندم بوئے، تبھی اسے فصل کی امید ہو سکتی ہے۔
اگر کوئی کانٹے بوئے، تو اس سے گندم یا پھول کی امید رکھنا بے وقوفی ہے۔

اسی طرح، اگر کوئی ایسی گاڑی میں بیٹھے جو درست حالت میں ہو اور منزل کی طرف رواں دواں ہو، تو منزل تک پہنچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔
لیکن اگر گاڑی خراب ہو، اس کے ٹائر اور انجن نہ ہوں اور وہ زمین پر پڑی ہو، تو اس میں بیٹھ کر منزل تک پہنچنے کی امید رکھنا بے عقلی اور حماقت ہے۔

لہٰذا، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی امید بھی اسی وقت ہونی چاہیے جب مغفرت کے اسباب مہیا ہوں۔

اسی طرح، جیسے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اِعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (المائدة : ٩٨) .

ترجمہ: خوب جان لو! یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور بے حد بخشنے والا، رحم کرنے والا بھی ہے!!

اس آیتِ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہیے۔
نہ کوئی اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو اور نہ ہی اس کی رحمت سے مایوس ہو۔
بلکہ ایک مؤمن کو اللہ سے امید بھی رکھنی چاہیے اور اس کے عذاب سے ڈرنا بھی چاہیے۔

دوسرا راستہ :

اگر کوئی بندہ عبادت گزار ہو، تو شیطان اس کے لیے دین میں افراط اور مبالغہ کو خوشنما بنا دیتا ہے، تاکہ اس کا دین اسی ذریعے سے خراب کر دے۔

شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بندہ ایسے عبادات میں مشغول ہو جائے جن کا نہ اللہ نے حکم دیا ہو، نہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا ثبوت ہو، نہ صحابہؓ سے، اور نہ ہی مجتہدین کے اجتہاد سے کوئی بنیاد ہو۔

ایسے شخص کی عبادت اگرچہ بظاہر عبادت ہو گی، مگر اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہ ہو گی۔
وہ خود کو تھکاتا ہے، مگر فائدہ کے بجائے نقصان اٹھاتا ہے، کیونکہ دین میں افراط کرنا بھی ممنوع اور ناروا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ (النساء:۱۷۱)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ پر حق کے سوا کچھ نہ کہو۔

اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ کتاب کو دین میں غلو سے روکا گیا ہے۔

غلو کا لغوی معنی ہے "حد سے تجاوز کرنا"، اور امام جصاص نے غلو کی تعریف یوں کی ہے : اَلْغُلُوُّ فِي الدِّينِ هُوَ مُجَاوَزَةُ حَدِّ الْحَقِّ فِيهِ. (احکام القرآن للجصاص ج:۳ص:۲۸۲).

یعنی دین کے متعلق غلو یہ ہے کہ کسی معاملے میں مقررہ شرعی حد سے تجاوز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے : قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدۃ:۷۷)

ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ

ہو چکے ہیں، اور جنہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا ہے، اور خود بھی صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ (رواہ النسائی ص:۴۸ ج:۲)

ترجمہ: دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے، وہ دین میں غلو کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے۔

یہود و نصاریٰ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس برائی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔

اسلام کے نبی ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال کی حدود متعین فرما دی ہیں۔

ان حدود سے پیچھے رہنا "تفریط" اور ان سے آگے بڑھنا "افراط" ہے، اور دونوں ہی ناپسندیدہ اور غلط رویے ہیں۔

چونکہ دین میں زیادتی (افراط) غلط ہے، اسی وجہ سے اسلام نے بدعت کی سختی سے مذمت فرمائی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

"بدعت "لغت میں ہر اُس نئی چیز کو کہا جاتا ہے جو پہلے موجود نہ ہو۔ شرعی اصطلاح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ بدعت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں وَالْبِدْعَةُ فِي الأَصْلِ إِحْدَاثُ أَمْرٍ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ (عمدۃ القاری ص: ۳۵۶ ج: ۵)

یعنی بدعت اصل میں ایسے نئے کام کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں موجود نہ تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بدعت کی تعریف اس طرح بیان فرماتے ہیں : وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَيَقُولُونَ فِي كُلِّ فِعْلٍ وَقَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ: هُوَ بِدْعَةٌ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ، لِأَنَّهُمْ لَمْ يَتْرُكُوا خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ إِلَّا وَقَدْ بَادَرُوا إِلَيْهَا (تفسیر ابن کثیر ص: ۱۵۶ ج: ۴).

ترجمہ: اہلِ سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ قول یا عمل جس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت نہ ملے، بدعت ہے۔ کیونکہ اگر وہ عمل خیر ہوتا، تو وہ یقیناً ہم سے پہلے اسے اختیار کرتے، اس لیے کہ انہوں نے کسی بھی خیر کے کام کو نہیں چھوڑا، بلکہ ہمیشہ اس میں سبقت کی۔

مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

بدعت ان امور کو کہا جاتا ہے جن کی کوئی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی نہ قرآنِ مجید میں ان کا کوئی ذکر ہو، نہ حدیث شریف میں، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، یا تبع تابعین کے زمانے میں اس کا وجود پایا جاتا ہو، اور اس کام کو دینی عمل سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔
(تعلیم الاسلام، حصہ چہارم، ص: ۲۷)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

بدعت اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی اصل قرآن وسنت یا ان زمانوں میں نہ ہو جنہیں خیر کے زمانے قرار دیا گیا ہو (یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین)، اور اس عمل کو ثواب سمجھ کر کیا جائے۔
(حمائل شریف، ص: ۷۰۸)

یعنی ایسا عمل جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہو، اگر اسے نیکی سمجھ کر کیا جائے، تو یہ بدعت ہے۔

اسی طرح کسی ثابت شدہ عمل میں ایسی قید شامل کرنا بھی بدعت شمار ہوتی ہے جس کی اجازت شریعت میں موجود نہ ہو۔

مثلاً: اگر کوئی عبادت عمومی طور پر مشروع ہو، لیکن کوئی شخص اسے کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر دے اور اُس مخصوص وقت میں اس کا اجر زیادہ سمجھنے لگے، تو یہ بھی بدعت کہلائے گا۔

شیطان کی چالاکی یہ ہوتی ہے کہ گناہگار کو گناہوں میں مشغول رکھے اور دیندار کو بدعت میں مبتلاء کر دے، تاکہ ہر حال میں وہ اپنے گمراہ کن مقصد کو حاصل کر سکے، جو کہ انسان کو بدبخت بنانا ہے۔

غیبت کیوں حرام ہے؟

غیبت کرنا اور اسے سننا اُن کبیرہ گناہوں میں شامل ہے جنہیں آج بدقسمتی سے بہت سے لوگوں نے گناہوں کی فہرست سے ہی نکال دیا ہے۔
افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ غیبت ہمارے مجالس کا لازمی جزو بن چکی ہے۔
لوگوں کو ایسا لگتا ہے کہ اگر مجلس میں غیبت نہ ہو، تو بات چیت بے مزہ اور ادھوری رہتی ہے۔

جب دو افراد کہیں اکٹھے ہوں، تو تیسرے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائیوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اور مزے سے اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

انہیں ذرّہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہے، اور اس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، اور اس بد عملی پر سزا دی جائے گی۔

اگر انسان دینِ اسلام کے کسی بھی پہلو پر غور کرے، تو وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا کہ یہ دین انسانیت کے لیے مکمل اور جامع ضابطۂ حیات ہے، جو انسان کو ہر اعتبار سے زمین پر بہترین انسان بننے کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ غیبت کرنے والا گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔

کسی عام انسان کا گوشت کھانا کتنا بڑا جرم اور قبیح فعل ہے؟
اب ذرا سوچیے: اگر کوئی اپنے سگے بھائی کا گوشت کھائے، وہ بھی اس حال میں کہ وہ بھائی فوت ہو چکا ہو؟
انسان کو خود ہی تھوڑا غور کرنا چاہیے کہ جب کسی کا بھائی وفات پا جاتا ہے، تو اُس کے گھر والے—ماں، باپ، بہنیں اور بھائی—غم سے نڈھال ہوتے ہیں، لیکن یہی انسان چھری اُٹھائے، اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو کاٹے، اور اُسے مزے سے کھاتا جائے؟

جیسے مردہ انسان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا گوشت کھا رہا ہے، بالکل اسی طرح جس شخص کی غیبت کی جا رہی ہے، اُسے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پامال ہو رہی ہے۔

لیکن اگر وہ زندہ ہو اور اسے علم ہو جائے کہ کوئی اس کی برائیاں کر رہا ہے، تو وہ ضرور دُکھ اور رنج کا شکار ہوگا۔

لہٰذا، چونکہ غیبت کسی مسلمان کی دل آزاری، بے عزتی اور توہین کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے دینِ اسلام نے اس قبیح فعل کو سختی سے حرام قرار دیا ہے، اور واضح الفاظ میں اس کی مذمت کی ہے۔

غیبت کیا ہے؟

غیبت کی جامع اور ہمہ پہلو تعریف حدیث شریف میں یوں آئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ». قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ «ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ». قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ قَالَ «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ». (رواه مسلم ص: ۳۲۲ ج: ۲، مشكوة المصابيح ص: ۴۱۲ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
""کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟
صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں"۔
آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی کا ایسا ذکر کرو جو اُسے ناپسند ہو"۔
"کسی نے پوچھا: "اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو، تب بھی؟
آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ بات اس میں واقعاً موجود ہو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اُس کی غیبت کی، اور اگر وہ بات اس میں نہ ہو، تو تم نے اُس پر بہتان باندھا"۔

جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا، ہر وہ بات جو کسی مسلمان کے بارے میں اس کی غیر موجودگی میں کہی جائے، اور اگر وہ اسے سن لے تو ناراض ہو جائے، تو اگر وہ بات سچ ہے تو وہ غیبت ہے، اور اگر جھوٹ ہے تو وہ بہتان ہے، جو کہ غیبت سے بھی بڑی گناہ ہے۔

غیبت کن طریقوں سے ہوتی ہے؟

غیبت صرف زبان سے نہیں ہوتی، بلکہ ہر اس طریقے سے جو کسی دوسرے شخص کو کسی کی ناپسندیدہ بات بتانے کے لیے استعمال کیا جائے، غیبت شمار ہوتا ہے۔ چاہے وہ اشارے سے ہو، عمل سے ہو،

آنکھوں کے اشارے سے ہو یا تحریری طور پر، یا کسی کے اندازِ چال کو نقل کرنے سے ہو — غرض وہ ہر صورت جس سے کسی کا تمسخر یا اہانت ہو، وہ غیبت کے دائرے میں آتی ہے۔

غیبت کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

غیبت کسی انسان کی عزت و آبرو کو برباد کر دیتی ہے، اس کی ساکھ کو معاشرے میں کمزور کرتی ہے اور اس کی شخصیت کو گرا دیتی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص غیبت کرتا ہے، وہ خود بھی دوسروں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ لوگ اُسے "غیبت کرنے والا" سمجھتے ہیں، اُس سے گھن کرتے ہیں، اُس کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتے، اور اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسروں کی عزت پر حملہ کرنا اپنا معمول سمجھتا ہے۔

اسی طرح ہمارے وہ بھائی اور بہنیں جو خود کو معتبر اور دوسروں کو کمتر ثابت کر کے محفل کو گرمانا چاہتے ہیں، وہ اس اہم حقیقت کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت پامال کر رہے ہوتے ہیں، اُس کی توہین کر رہے ہوتے ہیں — اور اس عمل کے ذریعے خود اپنی بھی توہین کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔

لوگ غیبت کیوں کرتے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیبت تمام مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق کے مطابق ایک حرام اور ناپسندیدہ عمل ہے، اور اس کی حرمت پر قرآنِ کریم، احادیث مبارکہ اور اجماعِ امت سے واضح دلائل موجود ہیں۔

لیکن اس کے باوجود یہ سنگین گناہ عام کیوں ہو چکا ہے؟ آخر اس کے کیا اسباب ہیں؟

غیبت پر اُبھارنے والے اسباب بہت سے ہیں، مگر اُنہیں بارہ (۱۲) بنیادی اسباب میں سمیٹا جا سکتا ہے، جو لوگوں کو اس بڑے گناہ میں مبتلاء کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں :

(۱) غصے کی حالت میں

جب غیبت کرنے والا کسی پر ناراض ہوتا ہے، تو اُس کے خلاف غیبت کرتا ہے، یا اُس پر الزام لگاتا ہے، یا چغلی کرتا ہے۔

(۲) حسد اور بغض

جب کسی کے دل میں دوسرے کے خلاف حسد اور بغض ہو، تو وہ اس کے عیب بیان کرتا ہے تاکہ دل کی بھڑاس نکالے اور دل

ٹھنڈا کرے۔ حالانکہ کامل ایمان والے ایسے رویوں سے خود کو بچاتے ہیں۔

(۳)اپنے آپ کو برتر ثابت کرنا

بعض لوگ خود کو اونچا، اور دوسروں کو کمتر اور بے عزت ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تکبر اور خود پسندی کی علامت ہے، جو انسان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

(۴)دوستوں کی خوشنودی

کچھ لوگ اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے ساتھ غیبت میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر دوست کسی کی غیبت کرتے ہیں تو وہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

یہ بہت خطرناک بات ہے، کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضی کے بدلے دوستوں کی رضامندی کو ترجیح دی جاتی ہے، جو ایمان کی کمزوری اور اللہ کی غفلت کی علامت ہے۔

(۵)گناہ پر تعجب ظاہر کرنا

کچھ لوگ کہتے ہیں: "مجھے حیرت ہے کہ فلاں شخص کیسے گناہ کرتا ہے، حالانکہ وہ بڑا آدمی یا عالم ہے،

یوں وہ خود کو نیک ظاہر کر کے دوسروں کی غیبت میں مبتلاء ہو

جاتے ہیں۔

البتہ اگر وہ کسی کا نام لیے بغیر صرف گناہ کی نوعیت بیان کرے، تو یہ غیبت میں شامل نہیں ہوتا۔

(۶) تمسخر اور مذاق

کسی کا مذاق اُڑانا یا اُس پر ہنسی کرنا، بھی غیبت کی ایک صورت ہے۔

(۷) اللہ کے لیے غصہ ظاہر کرنا

کبھی کوئی شخص اس نیت سے کسی کے خلاف غصہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلاء ہے، اور کہتا ہے: "فلاں شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، دیکھو کیسے گناہ کرتا ہے! یہ انداز بھی غیبت کے دائرے میں آتا ہے۔

(۸) حسد کی بنیاد پر مقبولیت کم کرنا

کبھی کسی کی تعریف یا مقبولیت برداشت نہیں ہوتی، تو حسد کرنے والا اُس کی غیبت کر کے اُس کی عزت کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نہایت گھٹیا اور بے وقوفی پر مبنی عمل ہے۔

(۹) ہمدردی کا بہانہ

بعض لوگ کسی کے لیے بظاہر ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، جیسے: "فلان بیچارہ قابل رحم ہے، اُسے دیکھو، کیسے گناہ کرتا ہے
حالانکہ یہ بھی درپردہ غیبت ہے۔

(۱۰)مذاق اور تفریح کے لیے

کسی کے عیب بیان کرنا، صرف اس لیے کہ لوگ ہنسیں یا مجلس میں ہنسی مذاق کا ماحول بنے۔

(۱۱)اپنے آپ کو بری ظاہر کرنا

جب کسی پر الزام لگایا جائے، تو وہ اپنی صفائی میں کہتا ہے: "یہ کام فلاں نے کیا تھا"، تاکہ خود کو بے قصور ثابت کرے۔

یہ بھی غیبت ہے۔

(۱۲)دفاعی غیبت

اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ دوسرا شخص اُس کے خلاف کسی کے سامنے بات کرے گا، تو وہ خود ہی اُس کی عزت گھٹانا شروع کردیتا ہے، تاکہ لوگ پہلے سے ہی اس پر اعتبار نہ کریں۔

(ماخوذ از: آفات اللسان فی ضوء الکتاب والسنۃ، ص۸-۹، بتغییر یسیر)

شرک کی تعریف اور گناہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو عبادت، تعظیم اور محبت میں اُس کے برابر سمجھنا شرک کہلاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے اُس اعتراف کو نقل فرماتا ہے جو وہ قیامت کے دن دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اپنے باطل معبودوں سے کریں گے : تَاللّٰہِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ، إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ . (الشعراء آیت:۹۷\۹۸)
ترجمہ " :اللہ کی قسم! ہم تو یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلاء تھے کہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے"!

ظاہر ہے کہ مشرکین یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ ان کے معبود کائنات کے خالق یا مالک ہیں، مگر وہ انہیں عبادت، تعظیم اور محبت میں اللہ کے برابر کرتے تھے، جس کی پاداش میں وہ جہنم کا ایندھن بنے۔

مفتی محمد شفیعؒ شرک کی تعریف یوں کرتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد رکھے جاتے" ہیں، ان ہی جیسے عقائد اگر کسی مخلوق کے لیے رکھے جائیں تو وہ شرک

"ہے۔
(تفسیر معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۳۰)

قرآن کریم نے شرک کی مذمت اور توحید کے اثبات پر جس قدر زور دیا ہے، اتنا کسی اور مسئلے پر نہیں دیا۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا آغاز بھی یہی پیغام تھا: يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ.
اے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی (معبود نہیں ہے۔

شرک سے بچنا کیوں ضروری ہے؟

شرک کس قدر خطرناک گناہ ہے؟ اس کی وضاحت قرآن مجید میں بار بار کی گئی ہے، اور دیگر گناہوں کے مقابلے میں اس سے بچنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ گناہ بے حد مہلک ہے اور اس کے بہت سے نقصانات ہیں۔ چند اہم نقصانات درج ذیل ہیں، تاکہ مسلمان بھائی بہنیں ان پر غور کریں اور سنجیدگی سے احتیاط اختیار کریں:

(ا) شرک عبادات کو برباد کر دیتا ہے .

اگر کوئی شخص شرک میں مبتلاء ہو جائے، تو اُس کے تمام اعمال
اور

عبادات ضائع ہو جاتے ہیں

اگر وہ رات دن اللہ کی عبادت کرتا ہو۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَا كَانُوا يَعۡمَلُوۡنَ** (الانعام آیت :۸۸)

ترجمہ" :اگر وہ شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال برباد ہو جاتے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا : **وَلَقَدۡ اُوۡحِيَ إِلَيۡكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنۡ قَبۡلِكَ لَئِنۡ أَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِينَ** (سورة الزمر : ۶۵) .

ترجمہ : اور یقیناً (اے نبی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے گزرنے والوں کی طرف وحی کی گئی تھی کہ اگر آپ نے شرک کیا، تو ضرور آپ کا عمل ضائع کر دیا جائے گا، اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شرک کی موجودگی میں کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا اگروہ کسی نبی کا عمل ہو۔ اگر نبی کے لیے بھی ایسا ہو سکتا ہے، تو عام انسان کے لیے بدرجہ اولیٰ ممکن ہے۔

(۲)مشرک پر جنت حرام ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ (المائدة : آیت : ۷۲)

ترجمہ :جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

(۳)مشرکین کے لیے دُعاء اور استغفار جائز نہیں

اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ اور مؤمنین کو مشرکوں کے لیے استغفار سے منع فرما دیا : مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبة : ۱۱۳)

ترجمہ : نبی اور اہلِ ایمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دُعائے مغفرت کریں، چاہے وہ اُن کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

(۴) مشرک کو شفاعت نصیب نہیں ہو گی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لاَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا. (رواه مسلم ص : ۱۱۳ ج : ۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر نبی کو ایک دُعاء دی گئی ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے، اور میں نے اپنی دُعاء قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہے، اور وہ ان شاء اللہ اُس کو حاصل ہو گی جو اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا!!

لہٰذا، شرک کی حالت میں فوت ہونے والا نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

(۵) شرک سب سے بڑا ظلم ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان : ۱۳)

ترجمہ" : جب حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک
شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

(٦)شرک سب سے بڑا گناہ ہے .

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ. (رواه مسلم ص: ٦٣ ج: ١)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، حالانکہ اُس نے تمہیں پیدا کیا!!

(٧)مشرک کو اللہ معاف نہیں کرے گا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (النساء: ٤٨).

ترجمہ: بے شک اللہ اُس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے، باقی گناہوں کو جس کے لیے چاہے، معاف فرما دیتا ہے۔

یہ اس لیے کہ مشرک دراصل اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کا منکر ہوتا ہے، لہٰذا اُسے ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھا جاتا ہے۔

یہ تھے شرک کے چند بڑے نقصانات جو مختصر انداز میں بیان کیے گئے۔ان باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شرک جیسی مہلک اور ناقابلِ معافی گناہ سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ ہم اس کی حقیقت کو سنجیدگی سے سمجھیں اور پوری احتیاط اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔کائنات کی دیگر تمام مخلوقات انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ان کے تابع کر دی گئی ہیں، تاکہ انسان ان چیزوں سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی عبادت بخوبی انجام دے سکیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (الآية، سورة البقرة :۲۹)

ترجمہ :اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں۔

پس، اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے، اور یہی بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (الذاريات: ٥٦، ٥٧، ٥٨).**

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کوئی روزی نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ بے شک اللہ ہی بہترین رزق دینے والا اور زبردست قوت والا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **أَيْ إِنَّمَا خَلَقْتُهُمْ لِآمُرَهُمْ بِعِبَادَتِي، لَا لِاحْتِيَاجِي إِلَيْهِمْ. (تفسیر ابن کثیر ص: ٦٩٥ ج: ٥)**

یعنی میں نے انہیں اس لیے پیدا کیا تاکہ انہیں اپنی عبادت کا حکم دوں، نہ کہ مجھے ان کی کوئی ضرورت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اور ان سے شرک کی ممانعت کی ہے۔ جو اس مقصد کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ دے گا، اور جو اس

سے منہ موڑے گا تو وہ سزا کا مستحق ہو گا، کیونکہ اس نے اپنے وجود کا اصل مقصد فوت کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ بندوں کا محتاج نہیں بلکہ بندے ہر حال میں اللہ کے محتاج ہیں، کیونکہ وہی ان کا خالق ہے اور وہی انہیں روزی دیتا ہے۔

یہی مضمون احادیث مبارکہ میں بھی بیان ہوا ہے۔ بطور مثال ایک حدیث یہاں ذکر کی جاتی ہے :

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ قَالَ فَقَالَ « يَا مُعَاذُ تَدْرِى مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ ». قَالَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ « فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لاَ يُعَذِّبَ مَنْ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ». قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلاَ أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ « لاَ تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا.

(رواہ البخاری ص:۹۲۷ ج:۲، و مسلم ص:۴۴ ج:۱ و اللفظ لہ)

ترجمہ : حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گدھے پر سوار تھا، جس کا نام "عُفَیر" تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ اور بندوں کا

اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں خوشخبری نہ دو، کہیں وہ صرف اسی پر بھروسہ نہ کرلیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیا، اور اللہ کے فضل سے وہ عذاب سے محفوظ رہے گا۔

بندے کا اللہ پر کیسے کوئی حق بنتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا تو بندوں پر حق ہے، لیکن بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی واجب حق نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق لازم نہیں، اور نہ ہی کوئی کسی چیز کو اللہ پر واجب کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس

شخص کو عذاب نہ دے جو شرک سے بچا رہے، تو اس کو حق تفضلي

کہا جاتا ہے۔

حقِ تفضّلی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے بندوں پر مہربانی فرمائی ہے اور اپنے فضل سے ان کے لیے یہ حق تسلیم فرمایا ہے۔

اس بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے :

مَا لِلْعِبَادِ عَلَيْهِ حَقٌّ وَاجِبٌ ... كَلَّا وَلَا سَعْيٌ لَدَيْهِ ضَائِعُ
إِنْ عُذِّبُوا فَبِعَدْلِهِ، أَوْ نُعِّمُوا ... فَبِفَضْلِهِ وَهُوَ الْكَرِيمُ الْوَاسِعُ

(شرح العقيدة الطحاوية لابن ابي العز الحنفي - رحمه الله – ص :٢٣٦)

ترجمہ: بندوں کا اللہ پر کوئی واجب حق نہیں، ہر گز نہیں، اور نہ ہی کسی کی کوشش اس کے ہاں ضائع جاتی ہے۔ اگر بندوں کو عذاب دیا جائے تو یہ اس کے عدل کی بنیاد پر ہوگا، اور اگر نعمتیں دی جائیں تو یہ اس کے فضل سے ہوگا، اور وہ ہی صاحبِ کرم اور وسیع بخشش والا ہے۔

اب اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا، یا اس کے ساتھ عبادت میں مخلوق کو شریک کرتا ہے، تو ایسا انسان نہ صرف یہ کہ

اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے وجود کا اصل مقصد بھی فوت کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

عبادت بھی ایسی ہونی چاہیے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اگر کسی کو شریک کیا گیا تو وہ عبادت معتبر نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا** (الكهف: ١١٠)

ترجمہ :جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

یعنی جو قیامت کے دن اجر و ثواب کی امید رکھتا ہو، اسے دو کام کرنے چاہییں :

(۱) شریعت کے مطابق نیک اعمال کرنا

(۲) ان اعمال میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء مقصود ہو، کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے

اور جیسا کہ پچھلی حدیث میں آیا کہ جو شرک نہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیگر شرائط بھی پوری ہوں تو ایسا شخص فوراً جنت میں داخل ہوگا، لیکن اگر اس نے کچھ دیگر گناہ کیے ہوں تو ممکن ہے کہ اسے عارضی طور پر دوزخ میں جانا پڑے، البتہ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ سزا پوری کرنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا نہ صرف انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے بلکہ دنیا میں بھی انسان کے لیے فائدے کا باعث ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ : يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ (رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب ص:۷۳، ج:۲،و بن ماجہ ص:۳۰۲)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! تو خود کو میری عبادت کے لیے فارغ کر، میں تیرا سینہ غنا (بے نیازی) سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو دور کر دوں گا، اور اگر تو ایسا نہ کرے تو تیرا سینہ مشغولیات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی ختم نہ کروں گا۔

جب انسان خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کا حق ادا کرے، پھر اگر اس سے دیگر گناہ سرزد بھی ہوئے ہوں، تب بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے : يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً » (رواہ الترمذی ص: ۱۹۴ ج: ۲)

ترجمہ : اے آدم کے بیٹے! اگر تو میرے پاس زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ آئے اور اس حالت میں مجھ سے ملاقات کرے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہو، تو میں تجھے اتنی ہی مقدار میں مغفرت کے ساتھ آؤں گا۔

(یعنی: میں تجھے معاف کردوں گا)

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے فضل کی وسعت معلوم ہوتی ہے کہ وہ زمین بھر گناہوں کو بھی معاف کردیتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے توحید کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے، کہ مغفرت کے لیے یہی بنیادی شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کا حق ادا کریں اور خالص اس کی رضاء کے لیے عبادت کریں۔

نبی کریم ﷺ کس مقصد کے لیے تشریف لائے؟

نبوت کے سورج طلوع ہونے سے پہلے دنیا طرح طرح کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ظلم و ستم اور وحشت اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

اس دور کے لوگوں کی گمراہی کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی کتاب، جو کہ سب سے سچی کتاب ہے، ہمیں یہ اطلاع دیتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل لوگ کھلی گمراہی میں مبتلاء تھے۔

انسانیت کے عظیم رہنما جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ظلم، جبر، اور بربریت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ انسان حق، صداقت، رشد اور ہدایت سے ناآشنا تھے۔ زندہ بیٹیوں کو دفن کیا جاتا تھا، گھریلو جھگڑے اور خاندانی دشمنیاں عام تھیں، زنا، شراب نوشی، جوا اور دیگر بے شمار برائیاں رواج پا چکی تھیں۔

لوگوں کے اخلاق، عادات، عقائد اور اعمال سب کے سب بگڑ چکے تھے۔ ان تمام چیزوں کی اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔

ایسے ہی وقت میں اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے دنیا کو اپنا آخری پیغمبر عطا فرمایا، تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے انسان روشنی کی طرف لوٹ آئیں۔

نبی کریم ﷺ نے دنیا کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی عطا فرمائی، انسانوں کو عذاب سے نجات کی راہ دکھائی، اور قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ان کا دین اور ان کی سنت ہی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

اب سب پر لازم ہے کہ اس نبی مکرم ﷺ کی سنت کو اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ (النساء : ٦٤)

ترجمہ: ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی اصول بیان فرمایا ہے کہ ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا ہے، اس کا مقصد یہی ہے کہ لوگ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی پیروی کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے آخری پیغمبر ﷺ بھی اسی مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں کہ لوگ ان کے احکام کی پیروی کریں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں : لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (سورة الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

یعنی نبی کریم ﷺ تمہارے لیے نمونہ ہیں، تمہیں چاہیے کہ ان کے جیسے اعمال کرو۔

وجہ یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ ایک عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی فطرت ایسی ہے کہ محض کتاب پڑھ کر بغیر کسی استاد یا مربی کے، نہ تو اصلاح ممکن ہے اور نہ ہی کسی علم یا فن کو صحیح طریقے سے سیکھا جا سکتا ہے۔

دین کے معاملے میں بھی انسان کو ایک مربی اور عملی نمونے کی ضرورت ہے۔ بغیر کسی عملی مثال کے انسان صراطِ مستقیم کو ٹھیک طریقے سے پہچان نہیں سکتا۔

نبی کریم ﷺ ہی وہ کامل نمونہ ہیں، جن کی سیرت کو دیکھ کر انسانوں کو چاہیے کہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہی انسانی ذمہ داری اور بعثتِ نبوی ﷺ کا بنیادی مقصد ہے۔

آج جب کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کی پیروی کا کامل نمونہ زندگی کے ہر پہلو میں موجود ہے، تو ہمیں ہرگز یہ ضرورت نہیں کہ ہم مغربی اقوام یا دیگر کفار کی طرف دیکھیں یا ان کی تقلید کریں۔

ہمارا دین ہر پہلو سے مکمل ہے۔ اس دینِ مبارک میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق نبوی راہنمائیاں موجود ہیں، جو نہ صرف دین بلکہ دنیا کی بھی فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔

دنیا میں بھی اگر کوئی حقیقی خوشی حاصل کرنا چاہے تو وہ اس مبارک دین کی روشنی میں اپنی زندگی گزارے، ان شاءاللہ تعالیٰ وہ بآسانی کامیاب ہو جائے گا۔

اور آخرت کی کامیابی اور نجات بھی صرف اسی دین کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کے اسباب

اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے ہر ایک سے بڑھ کر محبت کرے، کیونکہ یہ محبت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ درحقیقت، اس محبت کی زیادتی یا کمی ایمان کی مضبوطی یا کمزوری پر منحصر ہوتی ہے۔

جس شخص کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، وہ نبی ﷺ سے اتنی ہی زیادہ محبت کرے گا، اور جس کا ایمان کمزور ہوگا، اس کی محبت بھی اسی قدر کمزور ہوگی۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ (رواه البخاری ص:۸ ج:۱ و مسلم واللفظ له ص:۴۹ ج:۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے :

(۱)اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

(۲)وہ کسی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔

(۳)وہ کفر میں واپس جانے کو اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

پس، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت مؤمن کے لیے ضروری ہے، اور یہی محبت انسان کو ایمان کی مٹھاس چکھاتی ہے۔ جب کسی کو یہ مرتبہ حاصل ہو جائے تو پھر ایمان کی یہ شجرۂ طیبہ ہر وقت منفعتیں اور ثمرات دیتی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے محبت میں بے شمار دنیاوی اور دینی فوائد مضمر ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت عام انسانوں کی محبت کی طرح نہیں، بلکہ یہ محبت واجب ہے، اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (رواه البخاري ص:۷ ج:۱ و مسلم ص:۴۹ ج:۱)

ترجمہ : حضرت انس رضي الله عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

عمومی طور پر انسان کی محبت تین طبقات سے ہوتی ہے: بڑوں سے (مثلاً والد)، چھوٹوں سے (مثلاً اولاد)، اور ہم عمر لوگوں سے (تمام لوگ)۔ اس حدیث میں انہی تین اقسام کی طرف اشارہ ہے۔

یعنی ہر مسلمان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت اس کے والدین، اولاد، احباب اور خود اپنی ذات سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کے چند اسباب یہ ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تمام مخلوق میں منتخب فرمایا تاکہ ان کے ذریعے دین لوگوں تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور ان سے محبت فرماتا ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس ذات سے محبت رکھنی چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

کیونکہ ہم اللہ کے بندے ہیں، اور بندگی کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ جو اللہ کا دوست ہو، وہ ہمارا بھی دوست ہو، اور جو اللہ کا دشمن ہو، وہ ہمارا بھی دشمن ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا :

عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ:لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلاً وَلَكِنَّهُ أَخِي وَصَاحِبِي وَقَدِ اتَّخَذَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلاً .(رواه مسلم ص : ۲۷۳ ج : ۲)

ترجمہ : حضرت ابوالاحوص سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود- رضی اللہ عنہ - سے سُنا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے تھے : اگر میں کسی کو خلیل بناتا، تو ابو بکر کو بناتا، مگر وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اور تمہارے ساتھی (یعنی نبی ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنالیا ہے۔

خلیل "خاص دوست کو کہتے ہیں، یہ دوستی کا سب سے اعلیٰ درجہ" ہے۔ نبی ﷺ کو اللہ نے اسی درجہ پر فائز فرمایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

(۲) نبی ﷺ تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں

عَنِ الاوزَاعِيّ حَدَّثَنِي أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- « أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاولُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاولُ شَافِعٍ وَاولُ مُشَفَّعٍ (رواہ مسلم ص: ۲۴۵ ج: ۲).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا، اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا شفاعت قبول کروانے والا ہوں۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے ہمیں دین پہنچانے کے لیے تکلیفیں برداشت کیں

آپ ﷺ نے دین کی خاطر بہت اذیتیں برداشت کیں: آپ کو گالیاں دی گئیں، مارا گیا، زخمی کیا گیا، جھوٹا، جادو گر، شاعر، مجنون کہا گیا، قریبی رشتہ داروں نے بیزاری کا اظہار کیا، جنگیں مسلط کی گئیں، وطن (مکہ) سے نکالا گیا، لیکن آپ ﷺ نے صبر کیا اور دین ہمیں مکمل حالت میں پہنچایا۔

یہ سب قربانیاں آپ ﷺ نے اس حال میں دیں کہ بعثت سے قبل لوگ آپ کو "امین" اور "صادق" کہتے تھے، لیکن

آپ نے ان سب اعزازات کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی تبلیغ کو ترجیح دی۔

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کا تقاضا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے بے مثال محبت کی، جو ان کے مال، اولاد اور جان سے بھی زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ ایسی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوئے کہ امت کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

(۵) محبت کا تقاضا ہے کہ سنت پر عمل کیا جائے

نبی ﷺ کی سنت کو اپنی زندگی کا طریقہ بنانا، اس کے مقابلے میں کسی کی بات کو اہمیت نہ دینا، اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو ہر ایک پر مقدم رکھنا، محبت کا لازمی تقاضا ہے۔

(٦) نبی ﷺ کے اصحاب، تابعین اور علماء سے محبت

ہمیں صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اور محدثین سے محبت رکھنی چاہیے، اور ان کے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کسی اور راہ کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

(۷)تمام اسبابِ محبت نبی ﷺ میں موجود ہیں

خوبصورتی، کمالات، اعلیٰ نسب، لوگوں کو نفع پہنچانا، اخلاق عالیہ — یہ سب صفات اگر کسی میں کامل درجے میں جمع ہیں تو وہ ذات محمد ﷺ کی ہے۔

پس لازم ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کریں تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔

اللہ جل جلالہ ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت سے لبریز فرمائے۔ آمین۔

کیا ایمان کسی سے چھن بھی سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، لیکن ان میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ ایمان جیسی قیمتی دولت کے برابر دنیا کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

حقیقت میں سب سے بڑا بدبخت وہی ہے جو اس عظیم نعمت یعنی ایمان سے محروم ہو۔ ایسے لوگ دنیا میں ہمیشہ بے سکونی، پریشانی، غصے اور ذلت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً**. (الآية، سورة طه: ۱۲۴).

ترجمہ: اور جو میری یاد سے منہ موڑے گا، اُس کے لیے تنگ زندگی ہے۔

ایمان کے بغیر نہ کوئی چیز انسان کو سعادت دے سکتی ہے، نہ اُس کے نفس کو پاک کر سکتی ہے، نہ اُسے خوشی دے سکتی ہے، اور نہ ہی اُس کے غم و پریشانی کا مداوا کر سکتی ہے۔

اسی وجہ سے دنیا میں بہت سے کفار، باوجود اس کے کہ ان کے پاس مال و دولت اور وسائل کی فراوانی ہوتی ہے، خودکشی کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بغیر زندگی میں کوئی لذت باقی نہیں رہتی۔

ایمان دار کے لیے سب سے ضروری بات یہی ہے کہ وہ اپنے اس قیمتی سرمایہ کی حفاظت کرے۔ اگر ایمان کی وجہ سے جان، مال یا عزت کو خطرہ لاحق ہو، تو بھی وہ ہر قربانی دینے کو تیار ہو، لیکن ایمان کا سودا نہ کرے۔

کیونکہ یہی ایمان وہ چیز ہے جس کی بدولت انسان کو ہمیشہ کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جس چیز کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اُس کے دشمن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ جتنا کوئی چیز قیمتی ہو، اتنے ہی خطرات اُس کو لاحق ہوتے ہیں۔

اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ یہ بیش قیمت نعمت اُس کے پاس محفوظ رہے اور اسے فائدہ دے، تو اس کی حفاظت کے لیے وہ انتہائی محتاط رہتا ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کے پاس سونا ہو، تو وہ ہر وقت فکرمند رہتا ہے کہ کہیں یہ کھو نہ جائے، چور نہ لے جائے، یا کوئی اُسے دھوکے سے کم قیمت میں نہ ہتھیا لے۔

بالکل اسی طرح ایمان کے گرد بھی بہت سے خطرات منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ایمان رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کے معاملے میں ایسی ہی احتیاط اور خوف رکھے جیسا ایک سونے کا مالک اپنے سونے کے بارے میں رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ، کہ کہیں کوئی بات یا عمل اُس سے ایسا سرزد نہ ہو جائے جس کے باعث وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔

کچھ لوگ ایمان کو پہاڑ کی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جیسے پہاڑ پر بارش ہو، زلزلہ آئے، سردی یا گرمی پڑے، تو وہ اپنی جگہ سے نہیں

ہلتا—اُسی طرح ایمان بھی اگر ایک بار آگیا تو پھر کچھ بھی ہو، یہ کبھی نہیں جائے گا۔

یہ سوچ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان، بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک نازک تعلق کا نام ہے۔اور یہ تعلق بعض باتوں یا اعمال کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کا کسی سے پرانی دوستی ہو، سالوں سے تعلق ہو، لیکن ایک دن وہ کوئی ایسی بات یا عمل کردے جو ساری دوستی ختم کردے، بلکہ محبت کی جگہ دشمنی، اور الفت کی جگہ نفرت جنم لے۔

ایمان کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔کچھ اعمال واقوال ایسے ہیں جن سے ایمان کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اور انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف احادیث مبارکہ میں بھی اشارہ موجود ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے :

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُولُ : إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ مَا

يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ (رواہ الترمذی ص:۵۸ ج:۲ وقال حدیث حسن صحیح\ریاض الصالحین ص: ۴۴۶)

ترجمہ : حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اللہ کی رضاء کی کوئی ایسی بات کہتا ہے، جسے وہ خود اہم نہیں سمجھتا، لیکن اللہ تعالیٰ اُس بات کے بدلے اُس کے لیے اپنی رضاء لکھ دیتا ہے، جو قیامت کے دن تک باقی رہتی ہے۔
اور تم میں سے کوئی شخص اللہ کی ناراضگی کی کوئی بات کرتا ہے، جسے وہ معمولی سمجھتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اُس بات کے بدلے اُس پر اپنی ناراضی لکھ دیتا ہے، جو قیامت کے دن تک باقی رہتی ہے۔

پس صرف ایک جملے سے بھی کسی شخص پر قیامت تک اللہ کی رضاء یا ناراضی لکھ دی جاتی ہے۔

اسی لیے ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے اعمال کے بارے میں انتہائی محتاط ہو، اور ایسی کوئی بات یا عمل نہ کرے جس سے ایمان کو نقصان پہنچے۔

مؤمن کو اپنے ایمان سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود بے خبر ہو اور اُس کا ایمان رخصت ہو چکا ہو۔ لہٰذا اُسے چاہیے کہ وہ اپنے

ایمان کی ایسی حفاظت کرے جیسے سونے کا مالک اپنے سونے کی کرتا ہے—بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

کیونکہ سونا تو دنیاوی چیز ہے، لیکن ایمان تو اس سے کہیں زیادہ قیمتی دولت ہے۔

اسلام دینِ رحمت ہے

اسلام کا مبارک دین رحم، ہمدردی اور نرمی کا دین ہے۔
اسلام نے نہ صرف مسلمانوں کو آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کا حکم دیا ہے، بلکہ ہر انسان، حتیٰ کہ ہر مخلوق سے حسن سلوک کا بھی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اوسٍ قَالَ ثِنْتَانِ حَفِظْتُهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ . (رواه مسلم ص:١٥٢ ج:٢)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو باتیں یاد رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لازم قرار دیا ہے۔ پس جب تم کسی

کو قتل کرو تو احسن طریقے سے قتل کرو، اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری تیز کرے تاکہ ذبیحہ کو آرام پہنچے۔

اس حدیثِ مبارک سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو بے مثال رحم، نرمی اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتا ہے، ایسا دین جو نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانات تک کے لیے فائدہ مند ہدایات فراہم کرتا ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو جانوروں پر بھی رحم اور حسن سلوک کو ضروری قرار دیتا ہے۔
یہاں تک کہ اگر کسی پر اتنا بڑا جرم ثابت ہو جائے کہ وہ موت کا مستحق ہو، تب بھی اسلام اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔
یعنی اسے ایک ہی وار میں قتل کیا جائے، تکلیف دے کر یا اذیت دے کر نہ مارا جائے۔

یہ اور اس جیسے دیگر ارشادات اسلامی تعلیمات کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں، جنہیں بعض دشمنانِ اسلام غلط طریقے سے پیش کرتے ہیں اور اسلام کو دہشت گردی اور سنگدلی سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں،

تاکہ اسلام سے ناواقف لوگوں کو متنفر کر کے وہ اسلام کی طرف آنے سے روکیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان لازم کیا ہے، یہاں تک کہ اپنے دشمن اور بڑے مجرم کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، جو قتل کا مستحق ہو، اس کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آنا ہے اور آرام دہ طریقے سے اس پر حد نافذ کرنی ہے۔

اسلام سے پہلے حیوانات کو ذبح کرنے میں سختی کی جاتی تھی، اسلام نے اگرچہ پاک جانوروں کا گوشت حلال کیا، لیکن ان کے ذبح کرنے کے لیے ایک ایسا مہربان طریقہ مقرر کیا کہ ان کو کم سے کم تکلیف ہو۔

حیوان پر احسان کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری اچھی طرح تیز کی جائے، اور جانور کو آرام سے ذبح کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں بھی ذکر ہوا ہے۔
اسی طرح یہ بھی ہے کہ جب تک جانور کی جان مکمل طور پر نہ نکل جائے، اس کا گوشت نہ کاٹا جائے۔

مستحب ہے کہ ایک جانور کو دوسرے کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، تاکہ زندہ جانور کو ذہنی اذیت نہ ہو (فتاوی ہندیہ ۲۸۷/۵)۔
ذبح سے پہلے جانور کے سامنے چھری تیز کرنا بھی مکروہ ہے، اور اس

کو گھسیٹ کر ذبح گاہ تک لانا بھی مکروہ ہے۔

ذبح سے پہلے اس کو پانی پلایا جائے، اور دودھ پلانے والے جانور کو اس وقت تک ذبح نہ کیا جائے جب تک اس کا بچہ اتنا بڑا نہ ہو جائے کہ وہ دودھ کا محتاج نہ رہے۔

دودھ دوہتے وقت اتنا دودھ نہ نکالا جائے کہ جانور کے لیے تکلیف دہ ہو، کچھ دودھ بچا کر رکھنا چاہیے۔

جانور کا دودھ دوہنے والا شخص اپنے ناخن بھی کاٹے تاکہ ناخن کی چبھن سے جانور کو تکلیف نہ ہو۔

اس حدیث میں احسان پر زور دیا گیا ہے۔

احسان کی دو قسمیں ہیں :

(۱) اللہ کے حقوق میں احسان

یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرنا گویا انسان اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ کیفیت نہ ہو تو کم از کم یہ یقین ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

یعنی اللہ کے حقوق کو احسن انداز میں ادا کرنا۔

(۲) بندوں کے حقوق میں احسان

یعنی بندوں کے حقوق کو بھی مکمل طور پر اور خوش اخلاقی سے ادا کرنا، مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں سے تعلق قائم رکھنا،

معاملات میں عدل وانصاف، جتنا حق ہمارے ذمے ہو اتنا ہی مکمل طور پر ادا کرنا۔

جس طرح ہم دوسروں سے اپنے مال کا پورا مطالبہ کرتے ہیں، اسی طرح دوسروں کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرنا ضروری ہے۔

اس احسان میں انسانوں اور جانوروں، دونوں کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے،
یہاں تک کہ اس وقت بھی جب کوئی انسان سزا کا مستحق ہو، تب بھی احسان کے تقاضے کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر اسلام ایک ایسے شخص کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے جو سزا کا مستحق ہو، اور ایک ایسے جانور کے ساتھ بھی رحم کا حکم دیتا ہے جو ذبح ہونے والا ہو،
تو وہ شخص تو بدرجہ اولیٰ حسن سلوک کا مستحق ہے جو مسلمان ہو اور سزا کا مستحق بھی نہ ہو۔

احسان کی بھی دو قسمیں ہیں :

(۱) واجب احسان

جس میں کسی کا حق واجب ہو، اس کو مکمل ادا کرنا۔

(۲) مستحب احسان

اس سے مراد ہے کہ واجب حق سے بڑھ کر نیکی اور مہربانی کرنا۔

احسان اور نیکی کا مطلب صرف نماز روزہ کی درستگی نہیں، بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو درست اور خوشگوار بنانا بھی اس کا ایک اہم جزو ہے۔
اس میں عبادات، معاملات، تجارت، نماز، خوش اخلاقی، اللہ کی اطاعت، بندگی، حقوق کی ادائیگی، لوگوں کو تکلیف سے بچانا اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا شامل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام کا دین ہر ایک کے ساتھ نیکی، شفقت اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے،
اور ایسے بلند اخلاق سکھاتا ہے جن کی مثال دنیا کے کسی اور دین یا نظام میں نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت کا نتیجہ

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے آغاز میں دنیا بدترین حالت میں تھی۔
انسانیت مجموعی طور پر گمراہی اور بے دینی میں ڈوبی ہوئی تھی،
کیونکہ لوگوں کی تمام تر توجہ صرف کھانے، پینے اور لذتوں کے حصول کی

طرف تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دلوں سے ایمان اور دین رخصت ہو چکا تھا،
عبادات کی علامات مٹ چکی تھیں،
بھائی چارہ، ہمدردی، حیاء اور غیرت ختم ہو چکے تھے۔
یہ اعلیٰ صفات معاشرے میں نایاب ہو چکی تھیں۔

معمولی بات پر جھگڑے اور دشمنیاں جنم لیتیں، جو پھر کئی سالوں تک جاری رہتیں۔
دلوں کی سختی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔
لوگ ایسے کاموں میں مصروف تھے، جو انہیں تباہی کی طرف لے جا رہے تھے۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو
اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا،
تاکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو کفر اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام اور صراطِ مستقیم کی روشنی کی طرف لایا جائے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فریضہ مکمل طور پر ادا فرمایا،

اس راہ میں آپ ﷺ نے نبوی عزم، مسلسل محنت، اور نہ تھمنے والی کوششیں کیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی مثالی جماعت تیار فرمائی

جو اس راستے پر گامزن تھی جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے لیے پسند ہے۔

ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو دنیا کے لیے نمونہ بن گیا،

تاکہ باقی اقوام بھی ان کے عقائد، اخلاق اور اعمال کو اختیار کریں اور دائمی فلاح حاصل کریں۔

ان کے اندر تمام اچھے اوصاف جمع ہو گئے تھے۔

توحید، اخلاص، عبادت، بھائی چارہ اور ہمدردی ان کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی،

یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچے کہ اللہ کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی میں سبقت لے جائے۔

ان کے تمام اعمال میں اللہ کی رضاء مقصود ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی برکت سے ایک ایسا ماحول وجود میں آیا جس نے تاریخ کا رخ بدل کر رکھ دیا۔

وہ لوگ جو معمولی بات پر ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے

تھے،

ایسی حالت کو پہنچے کہ ایک دوسرے کے لیے سب کچھ قربان کرنے لگے۔

وہ چاہتے تھے کہ انہیں خود نقصان ہو جائے،

لیکن دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچے۔

خود بھوکے رہیں، لیکن دوسرا مسلمان بھوکا نہ رہے۔

حتیٰ کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی،

اور ان کے لیے اپنی رضاء اور جنت کی بشارت دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى(الحديد : ١٠)

ترجمہ: اور اللہ نے ان سب سے بھلائی (یعنی جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرة:٥)

ترجمہ: اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا، لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

(الانفال:۴)

ترجمہ: یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند درجے، مغفرت اور باعزت رزق ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات:١٥)

ترجمہ: یہی لوگ سچے ہیں۔

أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات: ۷) ترجمہ: یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

وَ أُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (التوبة : ۲۰)

ترجمہ: اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

ان آیات میں جو بلند مراتب اور عظمتیں ان کے بارے میں بیان کی گئی ہیں،

کیا اس سے بڑھ کر کوئی درجہ اور فضیلت ہوسکتی ہے؟

نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں یہ مرتبہ عطا فرمایا،

بلکہ دوسروں کو بھی حکم دیا کہ اگروہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں گے،

توان کے اعمال اللہ کو قبول ہوں گے۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرة:۱۳۷)

ترجمہ: پس اگروہ اسی طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو، تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر منہ موڑیں تو وہ اختلاف و مخالفت میں پڑ گئے، اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے مقابلے میں کافی ہوگا، اور وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان امت کے لیے معیار ہے۔

جس کا ایمان ان کے ایمان کے مطابق ہو، وہی درست ہے،
اور جو ان کے ایمان سے ہٹے، اس کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔

یہ نبی کریم ﷺ کی محنت اور دعوت کا نتیجہ ہے،
کہ ایسی پاکیزہ سوسائٹی وجود میں آئی،
جو دنیا کے لیے ایک معیار اور مثال بن گئی۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کی فضیلت

قرآنِ کریم کی تلاوت بڑے اور افضل عبادات میں سے ایک ہے،
کیونکہ قرآن پڑھنے والا دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجلس کرتا ہے،
وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ بھی اسے یاد فرماتا ہے۔

یہ قرآن جو ہم پڑھتے، سنتے یا حفظ کرتے ہیں،
یہ اسی ذات کا کلام ہے جس نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا،
جو اولین و آخرین کا رب ہے۔
یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی اور سیدھا راستہ ہے،
بابرکت ذکر اور روشن نور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قلب پر فصیح عربی زبان میں نازل فرمایا،
تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے ڈریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کے آداب

جب یہ تلاوت اتنی بڑی عبادت ہے، تو اس مقدس کتاب کے
ادب کا خیال رکھنا بھی لازم ہے، تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر
سکیں اور
اس عظیم کتاب کی بے ادبی سے بچ سکیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے
دلائل کے ساتھ تلاوت کے آداب بیان کیے ہیں، لیکن یہاں میں
مختصر طور پر قارئین کے لیے چند اہم آداب پیش کرتا ہوں

(۱) قرآنِ کریم کی تلاوت کے لیے وضوء کرنا مستحب ہے۔
(بغیر وضوء بھی تلاوت جائز ہے، بشرطیکہ قرآن کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔)

(۲) تلاوت پاک اور صاف جگہ پر ہونی چاہیے، جہاں کوئی
نجاست نہ ہو۔
مسجد میں تلاوت افضل ہے۔

حمام (یعنی غسل خانہ) اور راستے میں تلاوت مکروہ ہے،
کیونکہ حمام ناپاک ہوتا ہے اور راستے میں لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے
اور قرآن کی بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(۳) قبلہ رُخ، سکون و وقار، عاجزی اور سر جھکا کر بیٹھنا مستحب ہے۔

(۴) طہارت اور تعظیم کی نیت سے تلاوت سے پہلے مسواک کرنا سنت ہے۔

(۵) تلاوت سے پہلے أَعُوذُ بِاللّٰہِ پڑھنا سنت ہے۔

(٦) سورۃ التوبہ کے علاوہ ہر سورۃ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا چاہیے۔

(۷) قرآن کو تجوید اور ترتیل کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔
(اخبارات یا رسالوں کی طرح جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے کہ انسان کا ذہن صرف سورت کے آخر تک پہنچنے پر لگا رہے)۔

(۸) غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرنا سنت ہے،
یہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہے، تاکہ انسان اسے سمجھ کر اس پر عمل کرے۔
تدبر کے ساتھ تلاوت دلوں کو روشن اور سینوں کو کھول دیتی ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم کے مناسب مقامات پر نبی ﷺ کی طرف سے دعائیں منقول ہیں، مثلاً جب آپ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتے، توفرماتے : سُبحان ربي الاعلى

(یہ ادعیہ غیر نماز میں پڑھنے کی اجازت ہے۔)

(۹) تلاوت کے وقت رونا یا رونے کی کوشش کرنا مستحب ہے۔
اگر رونا ممکن نہ ہو تو دل میں خشوع اور غم ضرور پیدا کرنا چاہیے۔

(۱۰) قرآنِ کریم کو اچھی آواز سے پڑھنا سنت ہے۔

(۱۱) بعض احادیث میں بلند آواز سے تلاوت کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے، اور بعض میں آہستہ آواز سے۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ریاکاری یا کسی کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہو تو آہستہ تلاوت بہتر ہے، بصورتِ دیگر بلند آواز بہتر ہے۔

(۱۲) قرآن کو دیکھ کر پڑھنا زبانی یاد سے پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ قرآن کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

(۱۳) اگر کوئی بات سننے کی ضرورت ہو تو تلاوت روک دینا، تلاوت کے دوران بے ہودہ کاموں میں مشغول ہونا، یا اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے۔

(۱۴) بہتر یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے ترتیب کے مطابق ہو۔

(۱۵) قرآن ختم کرنے کے بعد دُعاء کرنا سنت ہے،
اور اس وقت دُعاء قبول ہوتی ہے۔

(الاتقان في أصول القرآن، ملخصاً، جلد ۱، صفحات ۲۱۲تا۲۲۴)

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ کریم سے مضبوط تعلق نصیب فرمائے۔ آمین۔

بڑی اور ہلاکت خیز گناہیں

ایک مؤمن کو چاہیے کہ ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچائے، تاکہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے اور اس کا آخرت بہتر ہو۔

گناہ، گناہ ہوتا ہے چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو،
کیونکہ زہر زہر ہی ہوتا ہے، چاہے تھوڑا سا ہی ہو۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی چھوٹے گناہ کو بار بار کرتا رہے،
تو وہ بھی بڑا گناہ بن جاتا ہے۔
اور عام طور پر جو لوگ چھوٹے گناہوں میں مبتلاء ہوتے ہیں،
وہ انھیں بار بار دہراتے ہیں،
اسی وجہ سے بسا اوقات صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر طرح کے گناہوں سے،
چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے،
پرہیز کرنا ضروری ہے۔
اور اگر کوئی گناہ ہو جائے، چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو،
تو فوراً اس سے توبہ کرنا واجب ہے،
تاکہ وہ کبیرہ نہ بن جائے۔

اسی لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ
اپنے اعمال کا جائزہ لے،
جس گناہ میں مبتلاء ہے اسے ترک کرے،
نفس اور شیطان کی نافرمانی شروع کرے
اور اپنے نفس کو یہ سمجھائے کہ
دیکھ! گناہ کا انجام قبر، میدانِ حشر اور جہنم کا عذاب ہے۔"
اگر تو ان عذابوں کو برداشت نہیں کر سکتا
تو گناہ چھوڑ دے اور توبہ کر!!
اسی میں تیری بھلائی ہے۔

اگر انسان اپنے نفس کا محاسبہ اور مراقبہ شروع کر دے،
تو ان شاء اللہ ایک دن توبہ کی توفیق ضرور ملے گی
اور وہ گناہ چھوڑ دے گا۔

اگرچہ ہر گناہ کو ترک کرنا ضروری ہے،
لیکن کچھ گناہ ایسے ہیں جو انتہائی ہلاکت خیز اور خطرناک ہیں،
ان سے بچنا خاص طور پر لازم ہے۔

ایسے چند گناہوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے :

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضی اللهُ عَنهُ قَالَ قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ. قالوا : يَا رسولَ اللهِ، وَمَا هُنَّ ؟ قَالَ : الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِى حَرَّمَ اللهُ إلَّا بِالحَقِّ، وأكْلُ الرِّبَا، وأكْلُ مَالِ اليَتِيمِ ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ ، وَقَذْفُ المُحْصَنَاتِ المُؤْمِنَاتِ الغَافِلاَتِ (متفق عَلَيْهِ\مشكوة المصابيح ص: ١١٧ ج: ١)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سات ہلاکت خیز گناہوں سے بچو!
صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ سات کون سے ہیں؟
آپ ﷺ نے فرمایا :

(١) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

(٢) جادو کرنا۔

(۳) کسی ایسے شخص کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہو، الا یہ کہ حق کے ساتھ ہو (مثلاً قصاص میں شرعی فیصلہ کے مطابق)۔

(۴) سود کھانا۔

(۵) یتیم کا مال کھانا۔

(٦) جہاد کے میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔

(۷) پاکدامن، بے قصور، ایمان دار عورتوں پر زنا کا بہتان لگانا۔

ان سات گناہوں سے سختی سے بچنا لازم ہے،
کیونکہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی خبر کے مطابق ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں
اور انسان کی آخرت برباد کر دیتے ہیں۔

لہٰذا نہ صرف ہمیں ان سے بچنا چاہیے،
بلکہ دوسروں تک بھی یہ حدیث پہنچانی چاہیے،
تاکہ وہ بھی ان مہلک گناہوں سے بچ سکیں۔

ان گناہوں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا شرک ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان: ١٣)

ترجمہ : بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

دوسرا گناہ : جادو کرنا۔

تیسرا گناہ : کسی ایسے شخص کو قتل کرنا جسے ناحق قتل کرنا حرام ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً﴾ (النساء : ٩٣)
ترجمہ :جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، تو اس کی سزا جہنم ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ کا غضب اور لعنت اس پر ہے، اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے!

سود کھانا : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾(الآية، البقرة: ٢٧٥)
ترجمہ : جو لوگ سود کھاتے ہیں، قیامت کے دن وہ اس شخص کی طرح اٹھیں گے، جسے شیطان نے چھو کر پاگل کر دیا ہو۔

یتیم کا مال کھانا

یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً (النساء:١٠)

ترجمہ : جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور جلد ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیے جائیں گے !!

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات

حال ہی میں اسلام اور نور کے دشمنوں نے دینِ اسلام کے عظیم محسن اور اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے خلاف گستاخی کی ہے۔

انہوں نے اپنے گندے اور ذلیل افعال کے ذریعے اس بغض اور دشمنی کو ظاہر کیا ہے، جو انہیں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہے۔

ان کی یہ بے ادبی اور توہین رسول ﷺ آپ کے مرتبہ اور عزت میں کوئی کمی نہیں لا سکتی،
بلکہ یہ محض ان کی خباثت اور باطنی گندگی کا اظہار ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کے
اوصاف کو پہچانیں
اور جان و مال سے اپنے محبوب رسول ﷺ کا دفاع کریں۔

اسی لیے ہم نبی اکرم ﷺ کی چند ایسی خصوصیات کا ذکر کر رہے ہیں،
جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسا بلند پایہ اور بے
نظیر شخصیت ہیں،
جن جیسا نہ کوئی آپ سے پہلے دنیا میں آیا،
اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی آنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو کچھ ایسی خصوصیات
عطا فرمائی ہیں، جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔
یہی آپ ﷺ کی عظمت اور فضیلت کی دلیل ہے۔

چند خصوصیات درج ذیل حدیث میں موجود ہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي ، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً . (متفق علیه\ مشکوۃ المصابیح ص: ۵۱۲ ج: ۲).

ترجمہ : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں

(۱)ایک ماہ کی مسافت پر دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا ہے۔

(۲)پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے،
چنانچہ میری امت کا جو شخص بھی جہاں بھی نماز کا وقت پالے،
وہ وہاں نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۳)میرے لیے غنیمت کے مال کو حلال کر دیا گیا ہے،
حالانکہ یہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا۔

(۴)مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

(۵)مجھ سے پہلے ہر نبی کو خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا،
اور مجھے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

مزید چند خصوصیات دوسری احادیث میں آئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۶) آپ ﷺ کو **جوامع الکلم** (مختصر مگر جامع کلمات) عطا کیے گئے۔

(۷) آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، آپ خاتم النبیین ہیں۔

(۸) ہماری نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں۔

(۹) سورۃ البقرہ کے آخری دو آیات، عرش کے نیچے خزانے سے آپ ﷺ کو عطا ہوئیں۔

(۱۰) زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ کو دی گئیں،
جس سے اشارہ ہے کہ دینِ اسلام ساری زمین پر غالب آجائے گا۔

(۱۱) آپ ﷺ کا نام "احمد" رکھا گیا۔

(۱۲) آپ ﷺ کی امت تمام امتوں میں سب سے افضل ہے۔

(۱۳) آپ ﷺ کی اگلی پچھلی ساری لغزشیں معاف کر دی گئیں۔

(۱۴) آپ ﷺ کو **حوضِ کوثر** عطا کیا گیا۔

(۱۵) قیامت کے دن آپ ﷺ کے ہاتھ میں **حمد کا جھنڈا** ہو گا، جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام لوگ ہوں گے۔

(۱۶) آپ ﷺ کے ساتھ جو شیطان مقرر تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمان بنا دیا، وہ آپ ﷺ کو صرف خیر کی تلقین کرتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ ». قَالُوا وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ « وَإِيَّاىَ إِلاَّ أَنَّ اللَّهَ أَعَانَنِى عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلاَ يَأْمُرُنِى إِلاَّ بِخَيْرٍ. (رواه مسلم ص: ۳۷۶ ج: ۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟

فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے میری مدد فرمائی اور وہ مسلمان ہو گیا، اب وہ مجھے صرف بھلائی کی تلقین کرتا ہے۔

(۱۷)دوسرے انبیاء کو وقتی **معجزے** دیے گئے، آپ ﷺ کو **قرآن** جیسا دائمی **معجزہ** عطا ہوا، جو قیامت تک باقی ہے اور ساری دنیا کے لیے چیلنج ہے۔

(۱۸)قیامت کے دن سب سے پہلے **آپ ﷺ** جنت **میں داخل ہوں گے**،
آپ سے پہلے کسی کو اجازت نہ ہو گی۔

(۱۹)اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی۔

(۲۰)جنت میں آپ ﷺ کی امت سب امتوں سے **زیادہ تعداد** میں ہو گی۔

یہ صرف خلاصہ ہے، ورنہ آپ ﷺ کی خصوصیات بے شمار ہیں۔

جب ہمارے محبوب نبی ﷺ کے پاس ایسی عظیم الشان صفات موجود ہیں
کہ کسی اور نبی کے پاس بھی نہ تھیں، تو ایمان اور عقل کا تقاضا ہے کہ ہم آپ ﷺ سے سب سے بڑھ کر محبت کریں، جان و مال سے آپ ﷺ کا دفاع کریں

اور آپ ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل کریں، تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی ہمیں نصیب ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی اُمت کی خصوصیات

اللہ جل جلالہ نے نبی اکرم ﷺ کی امت کو ایسی عظیم خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو کسی اور امت کو نہیں دی گئیں۔

ان خصوصیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور دیگر امتوں سے افضل ہے۔

یہاں ہم چند خصوصیات اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہر بات کے ساتھ دلیل یا حوالہ نہیں دیا، مگر بعض جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے :

(۱) یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (البقرة : ١١٠)

ترجمہ : تم بہترین امت ہو۔

(۲) یہ امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گی۔

(۳) یہ امت سب امتوں سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہو گی۔

(۴) اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی ہیں۔

(۵) پوری زمین اس امت کے لیے مسجد قرار دی گئی ہے اور ہر جگہ عبادت درست ہے۔

(٦) پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کو پاکیزگی کا ذریعہ بنایا گیا۔

(۷) اس امت کو ایسے احکام دیے گئے ہیں جن پر عمل کرنا آسان ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ایک نشانی ہے۔ بنی اسرائیل اور دیگر نافرمان امتوں پر جو سختیاں آئیں، وہ اس امت پر نہیں آئیں۔ جیسا کہ فرمایا: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (الآیۃ، البقرۃ: ١٨٥)

ترجمہ: اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔

(۸) اس امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا۔

(۹) بعض وہ چیزیں حلال کی گئیں جو پچھلی امتوں پر بطور سزا حرام کردی گئی تھیں۔

(۱۰) یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

اور قیامت تک ایک جماعت ایسی رہے گی جو حق پر قائم ہوگی، یہاں تک کہ وہ دجال سے لڑے گی۔

(۱۱) یہ ایک معتدل اور درمیانی امت ہے،

اور قیامت کے دن دیگر امتوں پر گواہ بنائی جائے گی۔

(۱۲) اس امت میں شہادت کے کئی درجات ہیں۔

پچھلی امتوں میں صرف وہی شہید ہوتا تھا جو اللہ کے راستے میں جنگ میں قتل ہوتا،

مگر اس امت میں ان کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں :

جو اللہ کے راستے میں جان دے۔

طاعون کی بیماری میں مرنے والا۔

پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔

پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔

عمارت یا کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا۔

بچہ جنتے وقت فوت ہونے والی عورت وغیرہ۔

(۱۳) ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ تھوڑا عمل کر کے بھی اس امت کو زیادہ اجر دیا گیا۔

عن سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عن أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ، كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ،
أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا،
فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا،
ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الإِنْجِيلِ الإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا حَتَّى إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ، فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: يَا رَبَّنَا، أَعْطَيْتَ هَؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا؟
قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا. قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي، أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ. (رواه البخاري ص: ۳۰۲ ج: ۱)

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ، اپنے والد (عبد اللہ بن عمر رضي الله عنهما) سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوئے سنا:

تمہارے باقی رہنے کی مدت، ان امتوں کے مقابلے میں جو تم سے پہلے گزری ہیں، ایسے ہے جیسے عصر کی نماز سے سورج غروب ہونے تک کا وقت۔

توراۃ والوں کو توراۃ دی گئی، توانہوں نے (کام) کیا، یہاں تک کہ جب آدھا دن گزر گیا، تو وہ کمزور ہو گئے (یا تھک گئے)؛ انہیں ایک ایک قیراط (اجر) دیا گیا۔

پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی، توانہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے؛ انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔

پھر ہمیں قرآن دیا گیا، تو ہم نے سورج غروب ہونے تک عمل کیا، تو ہمیں دو دو قیراط دیے گئے۔

تو اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) نے کہا : اے ہمارے رب! تُو نے ان کو دو دو قیراط دیے، اور ہمیں ایک ایک قیراط، حالانکہ ہمارا عمل تو زیادہ تھا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : کیا میں نے تمہارے اجر میں سے کچھ بھی کمی کی؟
انہوں نے کہا: نہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہوں عطا کرتا ہوں۔

(۱۴) یہ اُمّت بارش کی مانند ہے، جس کے پہلے حصے میں بھی خیر ہے اور آخری حصے میں بھی۔
جس طرح بارش کا ہر قطرہ زمین کے لیے نفع رساں ہوتا ہے،

ویسے ہی اس اُمّت کا ہر دور خیر سے خالی نہیں، چاہے وہ ابتدائی زمانہ ہو یا آخری۔

(۱۵) اس امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱۶) عشاء کی نماز صرف اسی امت کو دی گئی ہے۔

(۱۷) جمعے کا دن اسی امت کو دیا گیا ہے۔

(۱۸) اس امت کا نبی ﷺ اس دنیا سے اپنی امت سے پہلے رخصت ہوا۔

(مسلم، ج ۲، ص ۲۴۹)

اس امت کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے نبی ﷺ نے اپنی قوم پر عذاب نازل ہونے سے پہلے دنیا چھوڑ دی،

جبکہ دیگر انبیاء نے اپنی قوموں کا عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۱۹) یہ امت زمین پر اللہ کی گواہ ہے۔

ان کی گواہی قیامت کے دن قبول کی جائے گی۔

(۲۰) اس امت کے کسی فرد پر اگر کوئی گناہ زبردستی کروایا جائے، تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

(۲۱)حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی امت کے ایک ولی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔

(۲۲)قیامت کے دن سب سے پہلے اسی امت کا حساب ہو گا۔

(۲۳)پل صراط پر سب سے پہلے یہی امت گزرے گی۔

(۲۴)انہیں "سلام" اور "آمین" کی خاص فضیلت دی گئی ہے۔

(ابن ماجہ، ص ٦١)

یہود ان دونوں چیزوں پر سب سے زیادہ حسد کرتے ہیں۔

(۲۵)اس امت کو اجتماعی عذاب سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

(۲٦)قیامت کے دن ہر مسلمان کے بدلے ایک کافر دوزخ میں جائے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ کے لیے ایک اکرام ہے۔

(۲۷)قیامت کے دن وضو کی وجہ سے ان کے چہرے اور اعضاء چمکتے ہوں گے۔

اللہ جل جلالہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے سچے پیرو کار بننے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے عظیم مقاصد

جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے دو بنیادی مقاصد خود بیان فرمائے ہیں :

(۱) علم کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا : **إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً** (ابن ماجه ص :۸۳ ج :۱، سنن الدارمي ص : ۱۱۱ ج : ۱)
ترجمہ: **میں تو صرف معلم (استاد) بنا کر بھیجا گیا ہوں !!**

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ جہالت کا خاتمہ ہو اور انسانوں کو علم حاصل ہو۔

علم تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

جہالت سے بڑی کوئی بیماری نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ ہر طرح کی برائیوں میں مبتلاء تھا : بے حیائی، جھوٹ، ظلم، چوری اور دیگر اخلاقی پستی عام تھی۔
مگر ان برائیوں کی بناء پر اس دور کو "ظلم" یا "فسق" کا زمانہ نہیں کہا جاتا، بلکہ اسے "زمانۂ جاہلیت" کہا جاتا ہے۔

یہی بات ثابت کرتی ہے کہ ہر طرح کے شر اور فساد کی جڑ جہالت ہے، اور اس کا علاج در حقیقت تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

اگر آج کے دور پر بھی غور کریں، تو صاف نظر آتا ہے کہ بیشتر برائیاں اور بگاڑ جہالت اور بے شعوری کی پیداوار ہیں۔

نبی کریم ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے ایمان اور علم کی روشنی سے دنیا کو منور کیا اور یوں تمام روحانی بیماریوں کا علاج لے کر آئے۔

(۲) اخلاقِ حسنہ کی تکمیل

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (سنن الکبری للبیہقی ص: ۱۹۱ ج: ۱۰)

ترجمہ : میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں !!

اچھے اخلاق کی اشاعت نبوت کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ ان اخلاق کے ذریعے دوسروں کے حقوق محفوظ ہوتے ہیں اور انسان ظلم و زیادتی سے باز رہتا ہے۔

یہ دونوں اصول اگر معاشرے میں نافذ ہو جائیں تو وہ ترقی، خوشحالی، بھائی چارہ اور امن کا گہوارہ بن جاتا ہے، اور انسان واقعی "انسان" بن جاتا ہے—ایسا انسان جو سچائی، سخاوت، ہمدردی، صبر، تحمل اور انکساری جیسی خوبیوں سے مزین ہو۔

جتنے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، سب اعلیٰ اخلاق کے پیکر تھے۔

جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں، وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور مزید بہتری کے لیے کوشاں رہے۔ اور جس کے اخلاق درست نہ ہوں، وہ عاجزی سے اللہ سے مدد مانگے اور اپنی اصلاح کی سعی کرے۔

قرآنِ کریم نے بھی ان دونوں مقاصد کو صراحت سے ذکر کیا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورۃ الجمعۃ: ۲)

ترجمہ: اللہ وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے "کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کی دو بنیادی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں :

(۱) تعلیم، (۲) تزکیہ (تربیت)۔

یعنی قرآن و سنت کی تعلیم دینا اور ان تعلیمات کی بنیاد پر انسانوں کے نفس کی تربیت کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کا بڑا حصہ انہی دو کاموں میں صرف ہوا، کیونکہ یہی دونوں کام ہر بھلائی کی بنیاد اور ہر شعبۂ زندگی کی اصلاح کا ذریعہ ہیں — خواہ وہ سیاسی ہو، سماجی، معاشی، عسکری یا اخلاقی۔

نتیجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کا پہلا مقصد علم کی تعلیم ہے، اور دوسرا مقصد اس علم کے مطابق تربیت اور عمل ہے۔

کامیاب مسلمان تاجر

اسلام ایک آسان اور فطری دین ہے، جس پر عمل کرنا اور جس کو سمجھنا انسانی طاقت سے باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، ویسے ہی اُس کے لیے زندگی گزارنے کے ایسے جامع، آسان اور خوبصورت ہدایات بھی نازل فرمائی ہیں، جن پر عمل کرکے انسان ایک کامیاب، نیک اور خوشحال انسان بن سکتا ہے۔

اسلام ایسا دین ہے کہ اس میں تھوڑے عمل پر بھی بڑا اجر ملتا ہے۔

یہ مبارک دین صرف مسجد اور عبادات تک محدود نہیں، بلکہ دنیاوی کاروبار کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ممکن ہے۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ دنیاداری کی محبت ترک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن دنیوی محبت سے مراد یہ نہیں کہ انسان دنیاوی کاروبار اور زندگی کو ترک کرے اور کسی غار میں بیٹھ کر فقط عبادت میں مصروف ہو جائے۔

اکثر لوگ "دنیا کی محبت چھوڑنے" کا مطلب غلط سمجھتے ہیں۔

اس کا درست مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہونا چاہیے، اور اپنے ہر عمل میں اُس کے احکام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اسی طرح، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تجارت سے منع نہیں فرمایا۔

کیونکہ کئی انبیاء علیہم السلام نے تجارت کی ہے۔کچھ انبیاء تو ایسے بھی گزرے ہیں جو دین کے ساتھ دنیاوی بادشاہ بھی تھے۔
اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اور دنیا ،دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی تھی۔

لہٰذا،اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تجارت سے منع نہیں فرمایا،لیکن ساتھ یہ ہدایت بھی دی ہے کہتجارت اُس طریقے سے کرو جو میں نے سکھایا ہے اور جو مجھے پسند ہے،اُس طریقے سے نہ کرو جو تمہاری خواہشات اور نفس کو پسند ہے!

جب کوئی شخص اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق تجارت کرتا ہے،تو وہی تجارت عبادت بن جاتی ہے اور باعثِ اجر و ثواب ٹھہرتی ہے۔

اسلام نے تجارت کو یوں بے قید نہیں چھوڑا کہ جو چاہے،جیسا چاہے کرے،بس منافع ہو۔بلکہ تجارت کے لیے ایسے اصول اور آداب مقرر کیے ہیں،جن پر عمل نہ صرف تاجر کے لیے نفع بخش ہے،بلکہ پوری سوسائٹی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ (رواہ الترمذی، مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۳)

ترجمہ : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

یعنی جو تاجر سچائی اور امانت داری اختیار کرتا ہے، دھوکہ دہی اور خیانت سے بچتا ہے، اُس کا حشر انبیاء و صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

جتنا زیادہ کسی تاجر میں صداقت اور امانت ہو گی، اُس کا درجہ بھی اُتنا ہی بلند ہو گا، حتیٰ کہ انبیاء کے ساتھ حشر ہونا اُس کا نصیب بن سکتا ہے۔

تجارت میں صرف صداقت اور امانت داری ہی اہم نہیں، بلکہ کچھ اور بنیادی امور بھی نہایت ضروری ہیں، جن کا لحاظ ہر تاجر کو رکھنا چاہیے

تجارت کسی ایسی چیز کی نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو۔

تجارت کا طریقہ بھی جائز اور حلال ہو۔

خرید و فروخت دونوں فریقوں کی رضامندی سے ہو۔

تجارت، اللہ کی عبادت اور ایمان سے غفلت کا ذریعہ نہ بنے۔

دنیاوی نفع کے مقابلے میں آخرت کا خوف غالب ہو۔

تاجر کو اعلیٰ اخلاق سے مزین ہونا چاہیے۔

وہ خسارہ دنیوی ہو یا وقتی، اُسے آخرت کے نقصان سے زیادہ نہ سمجھے۔

وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھے۔

اگر یہ اوصاف اور اصول اختیار کیے جائیں تو ان شاءاللہ ایسا تاجر نہ صرف دنیوی کامیابی حاصل کرے گا، بلکہ اس کا کاروبار عبادت اور درجات کی بلندی کا سبب بھی بنے گا۔

توبہ کی تعریف اور اہمیت

توبہ کے لغوی معنی **لوٹنے اور رجوع کرنے** کے ہیں، مراد گناہوں سے لوٹنا ہے۔ اور اصطلاح قرآن وسنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور اُس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے (تفسیر معارف القرآن، جلد:8، صفحہ:505)۔

انسان سے گناہ سرزد ہونا فطری بات ہے، لیکن بہترین انسان وہی ہے جو گناہ کے بعد فوراً اللہ کے حضور توبہ کرے۔
اللہ جل جلالہ نے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ اُن کے روحانی امراض یعنی گناہوں کا علاج عطا فرمایا، اور وہ علاج "توبہ" ہے۔
اللہ رب العزت کی طرف توبہ کرنا ایک ایسا عمل ہے جس سے کوئی مسلمان بے پروا نہیں رہ سکتا۔ ہر مسلمان کو توبہ کی ضرورت ہے، اور روزانہ اسے اس کی حاجت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در پر جھک جائے۔
قرآن کریم میں اللہ پاک نے مختلف مقامات پر توبہ کی ترغیب دی ہے، جیسے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (التحریم:٨)**

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی طرف سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہارے گناہ مٹادے گا اور تمہیں اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عذاب سے بچاؤ کا واحد ذریعہ سچی توبہ ہے۔ یہی راستہ اپنی اولاد اور گھر والوں کو بھی سمجھانا چاہیے تاکہ وہ بھی نجات پا سکیں۔

توبۃ نصوحًا:

یہ لفظ "نصح" سے ماخوذ ہے جس کے دو معنی ہوتے ہیں:

۱. خیر خواہی سے پاک کرنا؛ یعنی اخلاص کے ساتھ توبہ کرنا۔

۲. کپڑا سی دینا؛ یعنی گناہ کی وجہ سے جو تعلق اللہ سے ٹوٹ گیا ہو، اسے سچی توبہ کے ذریعہ دوبارہ جوڑ دینا۔

لہٰذا اللہ جل جلالہ نے تمام اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم دیا ہے، اور فرمایا کہ یہی نجات کی واحد راہ ہے۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

لفظ "عَسَىٰ" ترجمہ میں "امید ہے" آتا ہے، لیکن مراد اس سے وعدہ ہے کہ اگر بندہ سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے وعدہ فرماتے ہیں کہ وہ اس کے گناہ معاف کرے گا۔ لیکن اس وعدے کو "امید" کے الفاظ میں بیان کر کے یہ اشارہ دیا کہ نہ توبہ اور نہ دیگر نیک اعمال

کسی کو جنت کے قابل بناتے ہیں، بلکہ جنت میں داخلہ صرف اللہ کے فضل اور رحم سے ہے۔ (معارف القرآن، جلد ۸، ص ۵۰۶)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں "عسی" اللہ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۶، ص ۲۶۱)

توبہ ہر حال میں ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے، خاص طور پر جب وہ گناہ کرے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (النور: ۳۱)

ترجمہ: اے مؤمنو! تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

اس آیت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ توبہ صرف گناہگاروں کے لیے نہیں، بلکہ ہر مؤمن کو توبہ کرنی چاہیے، چاہے وہ نیک ہو یا گناہگار، کیونکہ توبہ بذات خود ایک مستقل عبادت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ عنہ- جیسے صحابہ کو بھی اس حکم میں شامل فرمایا گیا ہے۔

حدیث شریف میں استغفار اور توبہ کے کئی فضائل وارد ہوئے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا** (ابن ماجہ: ۲۷۹)

ترجمہ: خوشخبری ہے اُس شخص کے لیے جس نے اپنی نامہ اعمال میں کثرت سے استغفار پایا!

اسی طرح فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ (مسلم: ۳۴۶، ج: ۲)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، بے شک میں خود روزانہ سو مرتبہ اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

یہ حدیث ہمیں توبہ کی اہمیت پر متوجہ کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو معصوم تھے، لیکن وہ بھی روزانہ سو بار توبہ کرتے تھے، تو ہمیں اس سے بھی زیادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بلکہ عبادت کے بعد بھی انسان کو چاہیے کہ اپنی عبادت کی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اللہ سے مغفرت طلب کرے۔

یہ اللہ تعالی کا بہت بڑا فضل ہے کہ وہ توبہ قبول فرماتا ہے، بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے، اور اُنہیں اس طرح پاک کر دیتا ہے جیسے انہوں نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں آیا: التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (ابن ماجه: ۳۱۳)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اُس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

لہٰذا توبہ میں جلدی کرنی چاہیے کیونکہ نہ موت کا وقت معلوم ہے اور نہ زندگی کی گارنٹی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ توبہ کو مؤخر کرنا بھی ایک گناہ ہے۔

جو شخص اللہ تعالی کی طرف سچی توبہ کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ پہلے توبہ کو اچھی طرح سمجھے، اُس کے شرائط سے واقف ہو، کیونکہ وہ شرائط پوری کیے بغیر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

توبہ کے درجات (مرتبے)

توبہ کے تین درجات ہیں :

۱ : سب سے بڑا اور پہلا درجہ : کفر سے ایمان کی طرف لوٹنا ہے۔

۲ : دوسرا درجہ : کبیرہ (بڑے) گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔

۳ : تیسرا درجہ: صغیرہ (چھوٹے) گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔

ان تینوں درجات کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کے لیے پانچ شرائط ہیں، اگر توبہ ان شرائط کے مطابق ہو تو وہ فائدہ مند اور قابلِ قبول ہے، اور اگر یہ شرائط توبہ میں موجود نہ ہوں تو وہ توبہ قبولیت کے لائق نہیں ہے۔

وہ شرائط درج ذیل ہیں :

۱ : اخلاص

ایسی توبہ کرنا جس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی رضا اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا ہو۔ ریاکاری (دکھاوا) اور لوگوں کو توبہ کے ذریعے خود کو اچھا انسان ظاہر کرنا مقصد نہ ہو، نہ لوگوں کا قرب حاصل کرنا مقصود ہو، اور نہ ہی توبہ کے ذریعے اپنے آپ سے کسی تکلیف کو دور کرنا مقصد ہو، جیسے حکومت سے جان چھڑانا یا کسی ایسے شخص سے جان چھڑانا جو اسے سزا دے رہا ہو۔ اگر کوئی توبہ میں یہ دوسرے مقصد رکھے گا، تو نہ یہ توبہ ہے، نہ اس کا کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اللہ پاک ایسی توبہ سے گناہ معاف فرماتا ہے۔

۲ : ندامت (پشیمانی)

جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے، اس کے کرنے پر شرمندہ ہو، کیونکہ پشیمانی سے توبہ میں سچائی آتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص گناہ کر رہا ہو اور کہے: "بعد میں توبہ کر لوں گا"، ایسی توبہ کا قبول ہونا بھی بعید (مشکل) ہے کیونکہ ایسی توبہ میں پشیمانی نہیں ہوتی، جبکہ پشیمانی توبہ کی قبولیت کے لیے ایک لازمی شرط ہے۔

۳ : گناہ کو چھوڑنا

جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ گناہ میں مشغول ہو اور زبان سے کہہ رہا ہو کہ "اے خدا میری توبہ ہے!"، ایسی توبہ بھی قبولیت کی شرائط پر پوری نہیں اترتی، کیونکہ اس نے توبہ کی وہ اہم شرط پوری نہیں کی جس کے بغیر توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۳: گناہ کو فی الفور ترک کرنا (چھوڑنا)

جس گناہ سے توبہ کی جا رہی ہو، اسے اسی وقت مکمل طور پر چھوڑ دینا توبہ کی بنیادی شرط ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل تین حالتوں پر مشتمل ہے

(الف) نافرمانی اور گناہ کے کام کو چھوڑنا

اگر گناہ کسی ممنوعہ یا ناجائز کام کے ارتکاب کی وجہ سے تھا، تو توبہ کی صحت کے لیے لازم ہے کہ انسان اس برے کام کو فوراً بند کر دے اور اس سے بالکل الگ ہو جائے۔

(ب) فرائض و واجبات کی قضا کرنا

اگر گناہ کسی شرعی فرض یا واجب (جیسے نماز، روزہ یا زکوٰۃ) کو چھوڑنے کی وجہ سے تھا، تو صرف زبان سے توبہ کرنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس گناہ کو چھوڑنے کی شکل یہ ہوگی کہ ان قضا شدہ فرائض و واجبات کو جلد از جلد ادا کیا جائے۔

(ج) حقوق العباد (لوگوں کے حقوق) کی تلافی کرنا

اگر گناہ کا تعلق کسی انسان کے حق سے تھا — مثلاً کسی کا مال غصب کیا ہو، چوری کی ہو، قرض دبایا ہو، یا کسی کی غیبت اور دل آزاری کی ہو — تو اس توبہ کی قبولیت کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ صاحبِ حق کو اس کا حق لوٹایا جائے، یا اس سے گڑگڑا کر معافی مانگی جائے۔ جب تک بندہ معاف نہیں کرے گا، توبہ مکمل نہیں ہوگی۔

۴ : پختہ عزم

ایسا پختہ عزم کرے کہ مستقبل میں یہ گناہ دوبارہ نہیں کروں گا۔ اگر کوئی ایسی توبہ کرے جس میں اس کی نیت یہ ہو کہ جب بھی مجھے اس کام کی دوبارہ طاقت یا موقع ملا تو پھر کروں گا، تو یہ توبہ بھی صحیح نہیں ہے۔

۵ : قبولیت کا وقت ہونا .

توبہ ایسے وقت میں ہو جس میں توبہ قبول کی جاتی ہو۔ اگر توبہ کی قبولیت کا وقت ختم ہو چکا ہو، تو پھر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اسی طرح جب انسان کی سانس نکلنے کی حالت میں ہو اور حلق تک پہنچ جائے، تو ایسے وقت میں توبہ قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں : وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ (النساء:۱۸)

ترجمہ : اور توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو مسلسل برے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو کہتا ہے: اب میں نے توبہ کرلی ! !

اسی طرح مغرب (مغرب کی سمت) سے سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرنی ہوگی۔ اس کے بعد بھی توبہ قبول

نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا

(الانعام: ۱۵۸)

ترجمہ : جس دن تیرے رب کی کوئی مخصوص نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی، پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا جس نے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

ان نشانیوں سے مراد مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث میں یہ بات آئی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر کوئی کافر ایمان لائے تو اس کا ایمان قابل قبول نہیں، اور اگر کوئی مسلمان گناہوں سے توبہ کرے تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

وصلی اللہ تعلی علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین.

وسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

تمّت بالخیر

مؤلف کے تالیفات

١ : کامیاب مسلمان

٢ : صبح وشام کے مسنون اذکار

٣:الارشادالی سعادۃ العباد

۴ : اسلام اور عیسائیت

۵:سیرۃ النبی - صلی اللہ علیہ وسلم -

٦:عقائد الاسلام

٧:ارشادالعامۃ فی المحاضرات الھامۃ

٨:القول السدید لردمن انکر التقلید

٩:مستندمسنون اذکار